

کچھ اور پورے پانچ فٹ تک

”اپنے قد سے چھ سات انچ اونچے، یعنی کہ پانچ فٹ پانچ انچ تک کے“

”ایویس ہی میں پورے پانچ فٹ چار۔۔۔“ ان سب کی فائلز اپنے سر کی طرف بڑھتی دیکھ کے اس نے دعوے میں تبدیل کی۔

”پانچ فٹ دو۔۔۔“ نیچے جاتی فائلز پھر اس پر تانی گئیں تو رونی صورت بنا کے اصلیت اگل ہی دی۔

”برے ہٹو، تم اپنا اصلی وزن کسی کو بتاتی ہو جو میں اپنا صحیح قد بتاؤں۔“

”میرا وزن جتنا بھی ہے میں اس سے واقف ہوں۔ میں نے خود کو کبھی حور پری ثابت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔“

ہائے مجھ کو بھی تو لفٹ کراوے۔۔۔
تھوڑی سی تو لفٹ کراوے۔۔۔

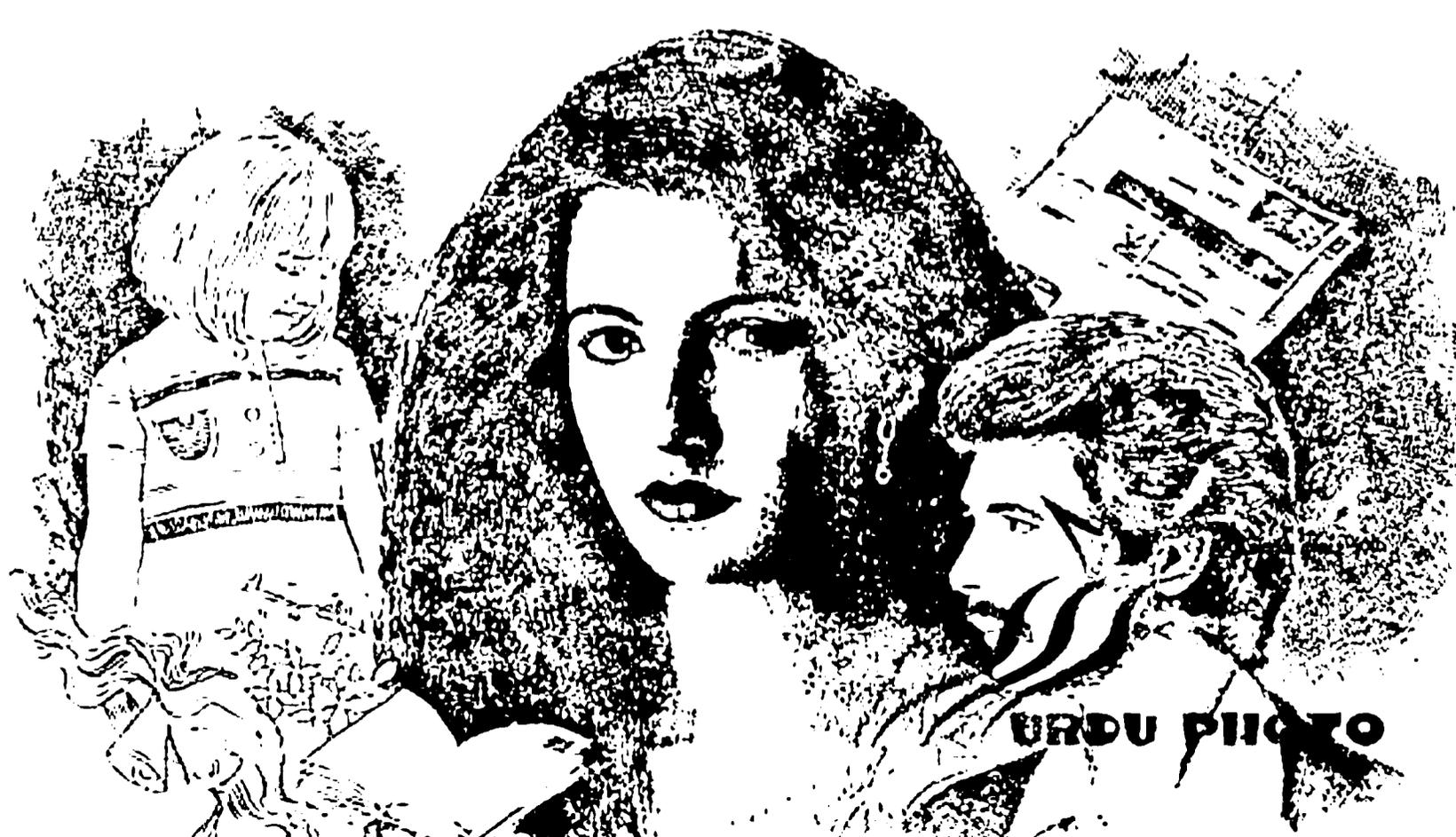
مریم نے اچانک ہی فائل ہوا میں بلند کر کے تان لگانا شروع کر دی۔ یعنی نے اس کی فائل چھین کے اسی کے سر پر دے ماری۔

”مریم تو قیر۔۔۔! آپ لفٹ کی نہیں سیڑھیوں کی سواری ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“
”مطلب یہ ہے کہ اتنے اونچے اونچے خواب دیکھنا چھوڑ دیں۔“

”مثلاً“ پھر کتنے اونچے خواب دیکھنا شروع کروں؟“ اس نے سوال کیا۔

مکمل ناول



”اس قسم کی کوشش کبھی کرنا بھی نہیں۔“ ستارہ نے منہ کھولا ہی تھا کہ یمنی اس کی طرف جھپٹنے والے انداز میں بولی۔

”میں مریم سے بات کر رہی ہوں۔“ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا لیکن ستارہ کو اس کے لہجے میں پوشیدہ وہ سب فقرے سنائی دے گئے۔

”میں تمہیں منہ نہیں لگا رہی۔“

”تم بیچ میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔“

”اے خبردار جو میری کسی بات میں دخل دیا تو۔“

ستارہ راٹھور کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر منال نے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈانچست بند کیا اور یمنی کا ہکا۔

”کیا ہے، سبھی اتنے مزے کی باتیں ہو رہی تھیں، تم بیچ میں پتا نہیں کیا شوٹے چھوڑ دیتی ہو۔“

”اور وہ پھلجیریاں جو خود بخود ہر جگہ چھوٹ جاتی ہیں۔۔۔؟“ یمنی کے بے دھڑک کہنے پر منال نے ٹھہرا کر ستارہ کی طرف دیکھا۔ وہ بیگ سے ہیٹو برش نکال کر عادتاً اپنے شوئزر کٹ سنوارنے لگی۔

صرف منال اور مریم ہی واقف تھیں کہ یمنی نے اس کا نام پھلجیری رکھ چھوڑا ہے۔ صد شکر کہ ابھی تک اسے اس کی ہوا نہیں لگی تھی ورنہ وہ ایسا چھوٹی کہ یمنی کو اس کا خطاب پھلجیری کے بجائے ”شرلی“ رکھنا پڑتا۔ منال نے یمنی کو آنکھیں دکھائیں جسے اپنے گروپ میں نئی نئی داخل ہوئی ستارہ راٹھور سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ مریم نے بھی چپکے سے اس کی کمر میں چٹائی بھری ویسے بھی ستارہ کو وہ ہی زبردستی اس گروپ میں محسوس رہی تھی۔

یوں سے قدر ٹانگ سے سراسر کے ساتھ ڈار کے سواؤں کے ساتھ کٹ باؤں اور بڑی بڑی پراؤں آنکھوں والی مریم تو قیر باد کی حسن پرست لڑکی تھی۔ کسی بھی رکنش چیز کو دیکھنے کے بعد بچھڑا جانا اس کی طبیعت میں تھا۔ اس کے علاوہ ہر کسی کی سب سے زیادہ خصوصیت سے مرعوب ہو جانا بھی اس کی عادت تھی۔

منال اگرچہ یمنی کی طرح خود پسند نہیں تھی کہ اپنے آگے کسی اور کی خصوصیت یا اہمیت کو ہرے سے تسلیم کرنے سے ہی انکاری ہو، لیکن مریم کی طرح دل ہاتھوں میں لیے بھی نہیں پھرتی تھی۔ مریم کو تو جیسے پسندیدگی کا بخار چڑھا کرتا تھا۔ اب چاہے وہ پسندیدگی کسی کے لیے بھی ہو، کسی گریس فل اور ڈانٹا تک ہی پچر کے لیے، مٹلے کے کسی گیسو سے گول منوں بچے کے لیے، ابرار الحق کے لیے، کسی گانے کے لیے یا کسی ڈریس کے لیے۔ اپنی نئی نئی پسندیدہ چیز کے پیچھے وہ ایسے ہی دیوانی ہوا کرتی کہ پھر کسی اور کا ہوش ہی نہ رہتا۔

شروع شروع میں تو منال اور یمنی دونوں اس کی اس عادت سے برا چڑا کرتیں، لیکن آہستہ آہستہ دونوں نے اس کی اس بے ضرر سی عادت سے سمجھوتہ کر لیا جو کبھی کبھی بے ضرر نہیں بھی رہتی تھی۔ اس وقت جب وہ اپنی پسندیدگی کو زبردستی ان دونوں پر بھی ٹھونسنے کی کوشش کیا کرتی۔ کبھی وہ اس کی زبردستی کے رعب میں آجایا کرتیں اور کبھی اسے زبردستی سدھارا کرتیں۔ مریم کی ان دونوں سے دوستی تین سال پرانی تھی، جبکہ یمنی اور منال کی دوستی پچھلے بارہ سالوں پر محیط تھی۔

منال اور یمنی کے گھر ساتھ ساتھ تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دونوں انٹھی ہی رہتی تھیں۔ اگر کسی وجہ سے یمنی کسی روز منال کے گھر نہ آئی ہوتی تو منال وہاں پائی جاتی۔ کھلتی ہوئی گندی رنگت، سیاہ کھور، آنکھوں اور سیاہ گنے لانے والوں والی منال عادتاً ”یمنی سے خاصی مختلف تھی، مگر پچھلے بارہ سالوں کے دن رات کی یکجائی نے دونوں کو ایک دوسرے کو ”بھگتے“ کا اہل بنا دیا تھا۔ منال کا بہن بھائیوں میں تیسرا نمبر تھا۔ بڑی آپی شادی شدہ تھیں پھر اخضر تھا اور منال کے بعد ڈال ہو انہی کے کالج میں سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ منال خاصے گھریلو قسم کے شوق اور مشاغل رکھتی تھی۔ نولین کے رسالے چائنا، درزیوں کے چکر لگانا،

ترکیبیں پڑھ پڑھ کر نئے نئے تجربات کرتے ہوئے عجیب عجیب پکوانا بناانا وغیرہ وغیرہ۔

یمنی ظاہر ظاہر خواجہ اور کنول خواجہ کی مختصر سی فیملی میں بڑی بیٹی کا درجہ رکھتی تھی، اس سے کئی سال چھوٹا بچہ اس کی تنہائیوں کی تلافی کرنے میں ناکام تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاید پوری کالونی میں یا کم از کم اس لین میں ان کا گھر واحد تھا جہاں ایک عدد درکنگ دو من رہتی تھی اور یمنی کی قسمت کہ وہ اس کی ماما تھیں۔ یہ بڈل کلاس کے سیدھے سادے لوگوں کی رہائشی کالونی تھی، کوئی کوئی خاتون۔ پچنگ کرتی تھی، لیکن مسز کنول خواجہ کی بینک کی جاب انہیں ان کی کلاس کی عورتوں میں ممتاز کرتی تھی۔ وہیں یمنی کی اپنے گھر میں دلچسپی کم ہوتے ہوتے منال کے گھر میں بڑھتی چلی گئی۔

بے حد گلابی گلابی سی رنگت، تھکے انتوش والی یمنی ظاہر کو منال کے گھر کا افزائش اور گہما گہمی والا ماحول بے حد بھاتا۔ اب تو اس کے پیچھے پیچھے جی بھی اکثر وہیں چلا آتا۔ ظاہر خواجہ اور کنول دونوں نے کبھی اپنے بچوں کا پڑوس میں گھسے رہنا پسند اس لیے نہیں کیا کہ وہ آغا صاحب کے گھرانے کی شرافت اور سادگی سے واقف تھے۔ صرف ایک فرد تھا جسے اپنے گھر میں اس کی حد سے زیادہ آمد و رفت برکھلا اعتراض تھا اور اس اعتراض کو جتانے میں کبھی لحاظ بھی نہ کرتا تھا اور وہ فرد تھا منال کا اکلوتا بھائی اخضر۔

ستارہ راٹھور کو ان کے گروپ میں شامل ہونے ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے، بلکہ اسے اس کالج میں آئے بھی دو ڈھائی ماہ سے زیادہ عرصہ ہوا تھا، وہ سیا لکونٹ سے مائیکریشن کروا کے آئی تھی۔ اس نے آتے ہی اپنی خوبصورتی، ایٹائل سے سارے کالج کی توجہ دونوں میں حاصل کر لی تھی اور مریم تو قیر۔ اس نے تو ستارہ کی طرف بڑھنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ اس کی وجہ سے ستارہ کو بھگتتا منال اور یمنی کی مجبوری بن چکا تھا۔ ویسے تو منال کو بھی اس نیلی آنکھوں، سنہرے بالوں اور بے تماشہ گوری رنگت والی سینک سا آئی لڑکی کی اکڑی

گردن، بناؤنی لہجہ اور حد سے تجاوز کرتا فیشن ذرا پسند نہ تھا لیکن یمنی کو تو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اس نے مروتاً ”بھی کبھی اس سے اخلاق برتنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے اوٹ پٹانگ فیشن اور خود کو ہر وقت نمایاں کرنے والی عادت کی وجہ سے یمنی نے اسے پھلجیری کا خطاب دے رکھا تھا جس سے اب تک ستارہ راٹھور انجان تھی۔

اور یہ بھی منال اور مریم کے حفاظتی اقدامات کی وجہ سے تھا ورنہ۔ یمنی کوئی لحاظ رکھنے والی نہ تھی۔ اس وقت بھی اپنی اور مریم کی نوک جھونک کے دوران اس کی مداخلت پر چڑکے وہ اسے پھلجیری جتا چکی تھی۔ وہ تو خیر پت گزری کہ بی بی ستارہ کو اپنی زلفیں سنوارنے سے فرصت نہ تھی۔

”تیری اونچی شان مولا، میری عرضی مان مولا۔“

مریم پھر شروع ہو گئی۔

”مجھ کو میرا آئیڈیل دلادے“

ہاں ایک نہیں دو چار دلادے۔

اپنی رو میں لٹک لٹک کر گاتی: کوئی مریم اپنے ارد گرد پھوٹے قہقہوں کے ہم سے تھنک کے رکی اور پھر خود ہی اپنے بے دھیانی میں گھائے فقرے پر جھل ہو گئی۔

”جو خاکہ تم نے تراش رکھا ہے آئیڈیل کے نام پر“

ویسا نمونہ تو شاید دنیا بھر میں ایک ہی، دو اور تم دو چار۔۔۔

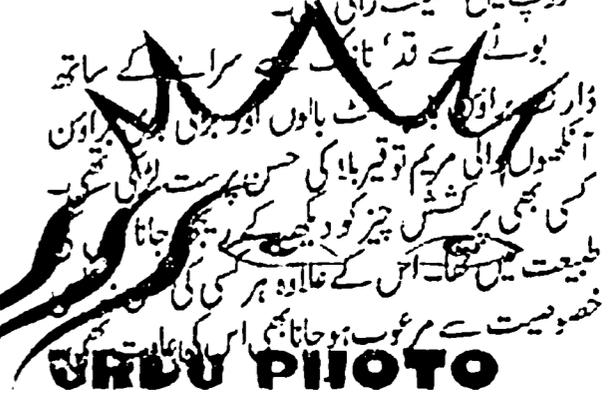
اکٹھے مانگ رہی ہو۔“

”کیا آئیڈیل سے تمہارا۔“ ستارہ ابھی تک ناواقف تھی، جبکہ منال اور یمنی ہزار بار یہ تفصیلات سن چکی تھیں، اس لیے منال نے موضوع بدل دیا۔

”یاد آیا مریم! تم بتا رہی تھیں کہ تمہاری خالہ کوینہ سے آ رہی ہیں اپنے بیٹے کے ساتھ۔“

”ہاں اسی ہنستے آ رہی ہیں۔“

”کتی عجیب سی بات ہے یار! تمہارا۔ کرن نے تمہیں اب تک نہیں دیکھا۔ حالانکہ اتنا قریبی رشتہ ہے۔“ منال کے لیے تو یہ واقعی حیرت کی بات تھی



کیونکہ ان کی اپنی فیملی میں تمام ہی گھرانوں کا ایک دوسرے کی طرف اس قدر آنا جانا تھا کہ شاید ہی کوئی دن جاتا ہو کہ ان کے اپنے گھر میں کسی نہ کسی آئی یا انکل کا نزول نہ ہوتا ہو۔

”اتنی حیرت والی بات بھی نہیں۔ کونسا کیا کم دور ہے لاہور سے۔ جب تانا نانو زندہ تھے تو جیسے ہم لوگ گرمیوں کی چٹھیاں گزارنے ان کے گھر جاتے تھے، خالہ جان بھی میکے آیا کرتی تھیں پھر جب وہ نہ رہے تو ماموں، خالہ اور ہم بھی۔۔۔ سب اپنی اپنی لائف میں بڑی ہو گئے۔ شادی بیاہ جیسے فنکشن پر بی ملاقات ہوئی ہے اور یہ بھی اتفاق ہے کہ ہمارے نھیاں میں پچھلے چھ سالوں میں صرف دو تین ہی فنکشن ہوئے ہیں اور ان میں بھی حنزہ نہیں آئے۔“

”آئے۔۔۔ آئے۔۔۔ آئے۔۔۔“ یعنی نے اس کا آخری لفظ ہی پکڑ لیا۔

”ابھی بات شروع بھی نہیں ہوئی اور موصوف ان کے لیے ”آئے“ ہو گئے۔ ویسے کہتی ہے کہ اپنے آئیڈیل کی ایک بھی خصوصیت نہ دیکھی تو فٹ انکار کر دوں گی۔ یہ کریں گی انکار؟ جو ابھی سے ”آئے“ ”ان“ اور ”انہیں“ کا ورد کر رہی ہے۔“

”ہاں تو اور کیا کہوں؟“ مزید کھسیا گئی۔ ”مجھ سے چار پانچ سال بڑا ہے۔ میرے بڑوں نے مجھے تمیز سکھائی ہے تمہاری طرح ہر کسی کو ”ابے“ ”تے“ کر کے نہیں بلاتی۔ وہ تو اس کی بڑائی کا خیال کر کے۔“

”اتنا ہی بڑا ہے اتنا ہی عزت و احترام اماند رہا ہے تو بھائی جان کہہ لو۔“ اس نے مشورہ دیا۔

”اے منٹ کے مشورے پاس رکھو۔“

”چلو تم پیسے دیا کر پچاس روپیہ بی بی مشورہ پھر تمہیں کوئی منٹ کا طعنہ نہیں دے گا۔“

”یہ تم نے مشورہ فروشی کا بزنس کب سے شروع کیا؟“ منال نے پوچھا۔

”جب سے تم نے بھی ان دونوں کی دیکھا کہتی آئیڈیل بازیاں شروع کر دیں۔“ یعنی نے وانت

کچکاچتے ہوئے اسے جواب دیا۔

”میں تو کہتی ہوں ایک بازی تم بھی لگا ہی لو۔“ مریم نے آفر کی۔

”اس سے بہتر ہے کہ میں مینار پاکستان پر چڑھ کے قلابازی لگا لوں اور بانی داوے تمہارا مشورہ مفت کا ہے یا نکالوں ریزنگاری۔“

”نالاومت یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم نے اپنی زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہ سوچ رکھا ہو۔ ہر لڑکی کے کچھ خواب ہوتے ہیں، تم کیا سارے جہاں سے نرالی ہو؟“ مریم نے اصرار کیا۔

”ہاں ہوتے ہیں خواب، ہر لڑکی کے ہوتے ہیں اور میں بھی ایک عام سی لڑکی ہوں، کوئی نرالی، انوکھی نہیں لیکن عام ہونے اور معمولی ہونے میں بڑا فرق ہے۔ میں بھی خواب دیکھتی ہوں لیکن میرے خوابوں میں ہر ایرا غیر اپنی سوچوں سمیت دندنا ہوا نہیں لکھس آتا۔“

”اچھا تو تمہیں کلین شیو والا پسند ہے۔“ منال کے اندازہ لگانے پر وہ پل بھر کو گڑ بڑا گئی، پھر اسے دھپ لگا کر کہنے لگی۔

”اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ مجھے اپنے خیالوں، خوابوں اور احساسات کی پرورداری عزیز ہے۔“ یعنی نے زور دے کر کہا حالانکہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے دل کی بات کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ اپنے خیالوں اور خوابوں کے دروازے بند تو نہیں کر سکتی تھی اور پھر آنے والے کا کیا بھروسہ۔ چپکے سے کواڑ کھول کر اسے اندر آنے دیا اور اب وہ پورے طمطراق سے اس کے دل کی آنگن میں چہل قدمی کر رہا تھا لیکن اس کے قدموں کی چاپ اس نے کبھی اپنے دل سے باہر نہ آنے دی۔

وہ کالج کے بعد سیدھی منال کے ساتھ اس کے گھر آئی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئیں تو نوال پہلے ہی سے

یعنی کے ساتھ گھر کے مختصر سے صحن میں کرکٹ کھیل رہی تھی۔ سارے رستے دین میں دھینکا مٹتی کر کے آنے والی یعنی اور منال دونوں نے خود پر ”باجی“ والا رعب طاری کیا۔

”نوال! گھنٹہ ہو گیا تمہیں گھر آئے ہوئے اور اب تک یونیفارم میں پھر رہی ہو۔ دھونا تو مجھے پڑتا ہے، رگڑ رگڑ کرے۔“

”اور تم بچی۔“ یعنی کو بھی خیال آیا، چھوٹے بھائی کی کا اس لینے کا۔

”تمہارے بورڈ کے ایگزام سر پر ہیں اور تم ادھر گھسے بیٹھے ہو، گھر پر لگا نہیں جاتا۔“

”گھر پر کیا کرتا؟“ وہ بچی تھا، نوال نہیں جو بڑی بہن کے ایک بار جھڑکنے پر سیدھی اندر بھاگ گئی تھی۔ وہ فوراً ”تن کے کھڑا سوال جواب کرنے لگا۔“

”یاما تو رات کو آتے ہیں، ماما کے آنے میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ ہے اور آج تو تمہارے گھر پر آنے کا بھی امکان نہیں تھا۔ یہاں مشعل آئی نے جو آتا تھا۔ میرا کیا دماغ خراب تھا جو میں اکیلے گھر میں بیٹھا بور ہوتا۔“

”اور میرے آنے کے بعد تو جیسے میرے گھٹنے سے لگ کے بیٹھے رہتے ہوتا۔“ وہ ہمیشہ کی طرح اس کی زبان درازی اور بد تمیزی پر کیموں کے رہ گئی۔ کتنا شوق تھا اسے اکلوتے چھوٹے بھائی پر رعب جمانے کا مگر مجال سے جو کبھی وہ اس کے رعب میں آجائے۔ کون سے ہاں پکڑ کے لاتے، گول مٹول سے رشو کو دیکھ کے وہ سب بھول بھال گئی۔

”ارے مشعل آئی آگئیں۔“ وہ وہیں رشو سے لپٹ گئی۔ اسے رشو کے پھولے پھولے گالوں پر پیار کرتے دیکھ کر بچی جل گیا۔

”ہونہہ اسے کہتے ہیں غیروں پر کرم اپنوں پر ستم، کبھی اپنے اکلوتے بھائی کو تو چوٹے کا پیار بھی نہیں دیا۔“

”اکلوتے بھائی نے اکلوتی باجی کو کبھی ”جوٹے“ کی

عزت بھی دی ہے؟“ وہ اسے منہ چراتی اندر تھسی چلی گئی۔ اسے کینڈی سے ملنے کی جلدی تھی۔

کینڈی، مشعل آئی کا سب سے نیا اور تازہ ترین ماڈل۔ اسے کینڈی کا نام یعنی نے ہی دیا تھا۔ بقول اس کے کینڈی کو دیکھتے ہی دل چاہنے لگتا ہے اسے منہ میں بھر لو۔ یعنی نے تو اس منطق پر مشعل آئی کو خراب بھی کیا تھا کہ اس بچے کھانے والی ڈائن سے اپنی بیٹی کو دور رکھیں۔

”ہائے میلی جان، میلا پالا، میلا پچھ۔ شونا، جانو، بلوس۔“ وہ لاؤنج کے دروازے سے ہی عجیب عجیب آوازیں نکالتی ہوئی کینڈی کی طرف بڑھنے لگی جو اس کی شکل دیکھتے ہی ماں کی گود سے اس کی طرف ہمک رہی تھی۔ منال نے سخت برامان کر کہا۔

”دیکھو ذرا اس بے دید کو، سگی خالہ میں ہوں اور محل رہی ہے تمہیں دیکھ کے۔“ وہ بھی سب سے پہلے بھاگ کے کینڈی سے ملنے آئی تھی مگر بد تمیز اسے دیکھتے ہی ماں کی گود میں دبک گئی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

- دل نہیںوں کی بستی ————— مجت ماہ اند ————— 400
- جو بیٹے تو جہاں سے گزریں ————— ساہا ساہا ————— 150
- وہ شبلی سن دیوانی سی ————— سید سوزو ————— 400
- طائر ہوتی ————— محبت سرات ————— 350
- ایمان امید اور محبت ————— مستی واحد ————— 180
- خواتین کا گھریلو انسائیکلو پیڈیا ————— 600

خوبصورت سیرتی، آفت پیسہ، خوبصورت چھاپائی، دیدہ زیب منظر ہاں

شائع ہو گئے ہیں

مکتبہ عمران ڈائجسٹ کے رچرچر

لاہور، کینڈی، سلطان نیوز ایجنسی، عظیم اینڈ سنز، اسلامیہ کتب خانہ

اشرف بک ایجنسی، مہر ان نیوز ایجنسی

”پچھ پیار کو بچھانتا ہے۔“ اس نے جتا کر کہا۔
 ”یمنی۔ نہ سلام نہ دعا۔“ مشعل آپنی نے اسے
 ٹوکا۔

”بابا۔ ہائے۔ سوری آپی۔“ سخت شرمندہ ہو کے
 اس نے سوری کہا اور کینڈی کو زور سے بازوؤں میں
 بچھتی ایک طرف کو چل دی۔ کونے میں بیٹھے اختر
 نے آواز لگائی۔

”آپ ٹوک لیں۔“ اس نے آپی کو تسخرانہ انداز
 میں بتایا۔ ”بہی سی“ بابا ہائے“ کہہ دی لیکن سلام
 کرنا پھر بھی گوارا نہیں کیا۔

وہ ایک دم پٹی کینڈی کی کشش میں اس نے
 ارد گرد غور ہی نہیں کیا تھا۔ اختر کونے میں پڑے ٹیلی
 فون اسٹینڈ کے قریب دھڑے مختصر سے اسٹول پر بیٹھا
 تھا۔ اس بار وہ سچ سچ شرمندہ ہو گئی۔

”پکڑنے کا اسٹول دیکھو ذرا۔“ سچے اٹھانے والی لگتی
 ہے برہہ فروش گروہ کی سرغنہ۔“

”اور تم کیا لگتے ہو جیب کتروں کے کونسلر،
 نو سرازوں کے ناظم۔“ شرمندگی پر طیش غالب آگیا،
 حالانکہ وہ اس سے مخاطب نہ ہونے کی قسم کھا چکی
 تھی۔

”مجھے کتنے سبق دے رہی تھیں تمیز و تہذیب
 کے میں تم سے بڑی ہوں، مجھے آپی کہا کرو، آپ کہہ
 کے بلایا کرو اور ذرا خود کو تو دیکھو۔“ بچی نے موقع
 ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

”اختر بھائی تم سے کتنے بڑے ہیں، منہ کھول کھول
 کے انہیں تم تم کہتی ہو۔“

”اچھا آئندہ بند منہ سے کہنے کی کوشش کروں
 گی۔“

”وہ بھی تم سے بڑے ہیں۔ اپنی عزت کو جاننے والے
 کتنا شوق ہے وہ سروں کی عزت بھی کرنا چاہیے تم
 انہیں بھائی جان کہہ کر پکارا کرو پھر میں بھی نہیں آپی

کہہ لوں گا۔“

”تم بھلے ساری عمر مجھے آپی مت پکارنا، میں یہاں
 ارمان ہی دل سے نکلتا ہوں، تم کو اتنی ہی سزا دے دوں

چکانا پڑے۔“ وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتی رہی۔

”میں کل کالج نہیں آؤں گی۔“ مریم نے اعلان
 کیا۔

”کیوں؟“ وہ تینوں چلا انہیں۔
 ”یار! سمجھا کرو، کل میرا گھر پر رونا کس قدر ضروری
 ہے۔“

”کیوں؟ کیا کل پولو کے قطرے پلانے والی ٹیم
 آرہی ہے؟“

”نہیں یار! میری خالہ آرہی ہیں بتایا تو تھا۔“
 ”تو وہ تو کچھ دن رہیں گی تا ان کے اعزاز میں کیا تم
 کالج سے چھٹیاں کرنی جاؤ گی، اسٹڈیز پر کتنا برا۔ خیر
 اس سے برا اثر کیا پڑے گا جتنا پڑ چکا ہے۔“

”جو اس مت کرو تم سے زیادہ اچھی ہوں پردھانی
 میں، تمہرا ایئر میں ٹوٹل مار کس میں تم سے پورے بیس
 نمبر زیادہ لیے تھے۔“

”وہ بھی اس لیے کہ تم نے وہ فضول سا سبیکٹ
 جو رکھ لیا ہے، فزیکل ایجوکیشن نہ پڑھنا نہ نوٹس بنانا،
 بس گھاس پر لوٹیاں لگا لو۔“ منل نے منہ بنا کے کہا۔

”تو وہ کون سا آسان کام ہے۔ تم لگا کے دکھاؤ اور
 پڑھنا کیوں نہیں پڑتا۔“ مریم تنگ تھی۔

”اس بحث کو چھوڑو، پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری وہ خالہ
 اور ان کا وہ سپوت جن کے بارے میں اڑتی اڑتی سنی
 ہے کہ تمہیں پسند کرنے آرہے ہیں، کل تک تو
 تمہاری ناگواری اور ناپسندیدگی کا شکار تھے۔ آج اتنی
 اہمیت کیسے اختیار کر گئے کہ تم ان کے اعزاز میں ایک
 استقبالیہ چھٹی کرنے پر تیار ہو۔ حالانکہ بقول
 تمہارے جس دن تم چھٹی کرتی ہو، اس دن بھابھی
 صاحبہ بستر سے اٹھنا گوارا نہیں کرتیں اور سارے گھر
 کا کام تمہیں کرنا پڑتا ہے۔“

”اب بھی کام ہی کی وجہ سے چھٹی لے رہی ہوں۔
 تم لوگ تو جانتے ہو بھابھی کی عادت کو، کسی کا بھلا ہو
 بلکہ ان سے برداشت نہیں ہوگا، امی نے حفاظتی

اقدامات کے تحت خالہ کی آمد اور آمد کے مقاصد کو ان
 سے خفیہ رکھا ہے۔ ان کا اراد پہلے ہی سے یہ چھٹیاں
 بچوں سمیت اپنے میکے میں گزارنے کا تھا، بھیا امی کی
 پائنگ میں شریک تھے۔ انہوں نے خوش دلی سے
 بیوی کو اجازت دی بلکہ کل ہی ٹرین پر چڑھا بھی آئے
 تاکہ خالہ کی آمد پر نقص امن کا خطر کم سے کم ہو۔ اب
 مجھے خود بوسٹھ، شہجہ دار، خوش اخلاق اور منسار قسم کی
 بیٹی ثابت کرنا ہے۔ بس اب کل سے میری پریڈ شروع
 ہو جائے گی۔“

”چلو جی۔ اس کا مطلب ہے کہ اب تم اگلے ایک
 مہینے تک گھر بیٹھی برائیاں دم دیتی، کباب تلتی اور
 ٹراٹفل سجاتی رہو گی۔“

”ظاہر ہے۔“
 ”لیکن یار! میری مانو تم حد سے زیادہ امپورٹنس
 دے کر ان آنے والے مہمانوں کا وماغ مت خراب
 کرو۔ تمہاری خالہ کیا سوچیں گی۔ کتنا شوق ہے لڑکی کو
 میرے لیے بندھنے کا کہ مارے خوشی کے کالج سے
 چھٹیاں کر کے بیٹھی ہوئی ہے اور وہ لڑکا۔ کیا نام ہے
 اس کا۔ ہاں جنرل پھیل جائے گا کہ اس کے اعزاز
 میں یا اس کی کشش میں بی مریم گھر کی ہو کے رہ گئیں۔
 سمجھا کرو۔ برا امپریشن پڑے گا۔“ یمنی کو ہر وقت
 اچھے اور برے امپریشن کی فکر لاحق رہتی تھی۔

”اور ایک گھنٹہ تک لوکل بس میں دھکے کھا کے
 ڈیزل اور پینے کی بوتل سے چھٹے چھڑائی، بکھرے بالوں،
 مسلے ہوئے یونیفارم کے ساتھ تو جیسے میں بڑا اچھا
 امپریشن ڈالوں گی۔“

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔“ ستارہ نے تائید کی۔
 ”اس قدر تو گری ہے۔ ساری فریش نیس برباد ہو کے رہ
 جاتی ہے۔ مریم! تم تو بالکل بھی کالج مت آنا۔“

”بالکل بھی کالج مت آنا۔“ یمنی نے منہ بگاڑ کے
 اس کی نقل اتاری۔ ”ایسی کیا آفت آن پڑی ہے جو
 اسے ہر حال میں اس پر اپنا اچھا امپریشن ڈالنا ہے۔“

”مجبوری ہے ڈیر! اپنی امی کی خواہش کے مطابق
 میرا اچھا لگنا، اچھا نظر آنا، اچھا بننے کی تمام کوششیں

کرنا، یہ میری مجبوری ہے اور مجھے کرنا ہی ہوگا۔“
 ”چاہے تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔“
 ”بالکل۔“

”اور وہ جو تمہارے دعوے تھے، وہ آئیڈل جو تھا
 تمہارا، تم تو کہتی تھیں کہ تمہارا ہونے والا شوہر تمہارے
 آئیڈل کے ہر زاویے پر فٹ بیٹھنا چاہیے، ورنہ تم
 انکار کر دو گی۔“

”وہ تو میں اب بھی کہتی ہوں۔ اسی مرحلے پر اس
 ابتدائی مرحلے پر جبکہ میں کوشش کے باوجود بھی حمزہ کی
 ایک ہلکی سی جھٹک تک یاد نہیں کر پاتی کیونکہ اسے
 دیکھے ہوئے مجھے کئی سال ہو چکے ہیں۔ میں اس کی
 عادات، مزاج وغیرہ سے واقف نہیں پھر کس بات کو
 بنیاد بنا کے فٹ سے انکار کر دوں۔ اسے آنے تو دو،
 ہو سکتا ہے اللہ نے مجھے لفٹ کراہی دی ہو، میری
 مرضی مان لی ہو اور اگر بالفرض وہ مجھے پسند نہیں آیا تو
 میں اپنی یہ رائے تب استعمال کروں گی جب باضابطہ
 طور پر ابوجی مجھ سے میری رائے طلب کریں گے۔ اگر
 میرے لیے دیے انداز اور پھوٹرن لاپرواہی وغیرہ کو
 بنیاد بنا کے خالہ نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تو امی جی کو
 کتنی مایوسی ہوگی۔ انہیں کتنا دکھ ہوگا کہ ان کی تربیت
 مجھے اس قابل نہ بنا سکی کہ ان کی اپنی سگی بہن کے
 معیار پر میں پوری اترتی۔ نہیں یمنی! ہم جیسی لڑکیوں
 ریجیکٹ ہونا فورڈ نہیں کر سکتیں۔“

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو مریم!“ منل نے سر
 جھکا کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی مسلتے ہوئے کہا۔

”جب بھی میرا کوئی پرپوزل آتا ہے تو امی مجھ سے
 برہہ کے زور سے ہوتی ہیں اور کسی بھی وجہ سے
 ریجیکٹ ہو جانے کے بعد انہیں لگتا ہے کہ جیسے
 سارا قصور ان کا ہو، حالانکہ ان کا کوئی قصور نہیں
 ہوتا۔ غلطی میری بھی کوئی نہیں ہوتی۔ شاید سارا قصور
 ہمارے اس چھوٹے سے گھر کا ہوتا ہے، جس کو
 سنوارنے کے لیے ہم ہزار جتن کر لیں تو ایک معمولی
 سا ڈیکوریشن پیس تک ڈرائنگ روم میں نہیں
 سجا سکتے اتنے اخراجات ہیں کہ ایسے میں ہم سوچتے ہی

رہ جاتے ہیں اب میری ماں مجھ سے بھی امید نہ لگائے کہ میں ہی کچھ ہاتھ پیر مار کے گھر آئے مہمانوں کو اپنی جانب متوجہ کر سکوں۔“

”کیا پھر کوئی آیا ہے؟“ یمنی نے اس کے لہجے کی تلخی محسوس کر کے سوال کیا۔

”اونہوں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”آنے والا ہے پرسوں آتے ہی مشعال آپی نے سب سے پہلی خبر یہ ہی تو دی ہے۔ ان کی کینیڈا والی نند کا بڑا بیٹا ہے۔ بقول آپی کے ان کا پورا سرال ہی ان کی خوش اخلاقی، خدمت گزار اور سلیقہ شعاری کا قابل ہو کے ان کے گمن گاتا پچھرتا ہے ایسے میں جب ان کی بڑی نند نے اپنی ماں سے مشورہ مانگا کہ اپنے نواسے کے لیے بھی کوئی ایسی ہی اچھی سی لڑکی بتائیں تو انہوں نے جھٹ کہہ دیا۔ ایسی ہی لڑکی چاہیے تو پچھر اس کی بہن کیوں نہیں۔ وہ تو فی الحال آئیں سکتیں، بیٹے کو بھیج دیا ہے تاکہ وہ مجھے پسند کر لے۔“

”انگل ماں جائیں گے؟“ یمنی آغا صاحب کے مزاج سے واقف تھی اس لیے فوراً پوچھا۔

”فی الحال تو انہیں سخت اعتراض ہے۔ وہ تو ہرگز رضامند نہیں کہ بغیر ماں باپ کے صرف اکیلا لڑکا آکر ان کی بیٹی کو پسند کرتا پچھے۔ مگر وہ اکیلے ہیں اور آپی کے ساتھ ہی دو لہما بھائی، اخضر بھائی سب ہیں۔ دیکھو کب ابوجی کمزور پڑتے ہیں اور کب مجھے یہ امتحان دینا پڑتا ہے۔ امی کو تو آپی نے سخت برجوش کر دیا ہے یہ کہہ کر کہ ان کی نند کو جینز بالکل نہیں چاہیے ویسے بھی کینیڈا تک جینز جا بھی نہیں سکتا اور امی اسی پہ خوش ہیں اور پچھر بیٹی کا سرال سات سمندر پار ہوگا تو سدھیانے کے خرے بھی نہیں اٹھانے پڑیں گے۔“

”ہاں جیسے جلد نہانے پر دعوت سر منڈائی پہ تنے وغیرہ وغیرہ۔“ یمنی نے کھرات سے کہا تو لہما کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ گیا۔

”بڑی خراب ہو تم۔“

”آپ کس وقت تھوڑا ہی تھا۔ میں تو یہ کہنا چاہتی تھی کہ جب تمہیں خود اس طرح بے کار بیٹھے رہنا پسند

ہے۔ میرے خیال میں تو بے چاری سارہ خود قابل رحم ہے جسے اردو کی وہ کتاب پڑھانی جا رہی ہے جو آج سے اٹھارہ سال پہلے مجھے اور شاید نصف صدی پہلے ابوجی کو بھی پہلی جماعت میں پڑھانی گئی تھی۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ یہ اب تک بابا آیا ریڈیو لایا۔ الاپ رہے ہیں۔ آج کل کے بچوں کو کیا پتا کہ ریڈیو کس بلا کا نام ہے۔ یہ سی ڈی پلیئر کا زمانہ ہے۔“ اخضر نے سارہ کو اردو پڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے پہلی جماعت کی اردو کی کتاب کی ورق گردانی کی۔

”توبہ ہے تم سے اخضر کس قدر بولتے ہو۔“ پہلے سب کے ساتھ خوب قل قل کر کے ہنسنے کے بعد اب مشعال آپی کو اسے ڈبٹنے کا خیال آیا۔

”ایک ذرا سا پیرا گراف پڑھانے کو کہا تھا، تم نے بچھے ادھیر ڈالے۔ ابوجی ٹھیک کہتے ہیں۔ کام کی کمی نہیں۔ ایک سو ایک کام ہیں لیکن تمہارے پاس نہ کرنے کے ایک ہزار ایک بہانے ہیں۔“ انہیں موقع مل گیا اس کی کلاس لینے کا۔ آغا صاحب جو ان بیٹے کے منہ کم ہی لگا کرتے نفیسہ بیگم زور زبردستی کرنا جانتی ہی نہ تھیں اس لیے بڑی بیٹی سے کہا کہ وہ اپنے طور پر بھائی کو احساس دلائے اس کا وہ لحاظ بھی کرتا تھا لیکن مشعال آپی نے شاید غلط موقع پہ یہ ذکر چھیڑ دیا۔ کینیڈی کو گد گداتی یمنی نے ایک نظر اخضر کے سرخ پڑتے چہرے کی طرف دیکھا اور چپکے سے اسے گود میں لے کر بچن کی طرف نکل گئی۔

”چلو کینیڈی ہم تو تمہارے لیے سیریلیک بناتے ہیں۔“

”آپ بھی بس۔ ہر کسی کے سامنے ذلیل کر کے رکھ دیتی ہیں۔“ اپنی پشت پہ اس نے اخضر کا گلہ سنا۔

”چلو تم یہ تو مانتے ہونا کہ اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا زے نکتے پن کی علامت ہے۔“

”ہاں میں نکما ہی تو ہوں۔“ وہ روٹھے روٹھے انداز میں بولا۔

”میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔ میں تو یہ کہنا چاہتی تھی کہ جب تمہیں خود اس طرح بے کار بیٹھے رہنا پسند

نہیں تو اپنے بھائی جان کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔“

”خدا کا واسطہ ہے میں نکما ہی ٹھیک ہوں، تجھے کتا تو نہ کہلوائیں۔ آپ نے سنا نہیں کہ سر کے گھر جو آئی کتا اور بہن کے گھر بھائی کتا۔“

”میں تمہیں اپنے گھر تو نہیں لے جا رہی۔“

”اپنے شوہر کے خاندانی کاروبار میں زبردستی گھسیڑ تو رہی ہیں، آپ کے تعلقات اپنے سرال سے اچھے ہیں انہیں اچھا ہی رہنے دیں کیوں یہ طعنہ سنا جا ہتی ہیں کہ شوہر کے مال پہ یہ میک پال رہی ہیں۔“

”جب تمہارا کام چل نکلے تو سارا سرمایہ لوٹا دینا۔“

”او میری بھولی بہن! جب بھائی صاحب مجھے قرضہ دیں گے کاروبار شروع کرنے کے لیے تو سارے زمانے کو خبر بھی ہوگی اور فکر بھی لیکن جب میں واپس کروں گا تو کوئی ایک شخص بھی یقین نہیں کرے گا۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتا میری وجہ سے میری بہن کا سر اس کی سرال میں نیچا ہو۔“ وہ دو ٹوک انداز میں کتا اٹھ گیا اور فیڈنگ باؤل میں چھپچھپا ہلا کر سیریل ٹھنڈا کرتی ہوئی یمنی مسکرائی۔

”یہی تو وہ بات ہے۔ یہی تو ہے وہ بات۔ جو میں تم سے۔ تم اسی لیے تو خاص ہو۔“

”اللہ جی، انہوں میں کیا بتاؤں یمنی۔ ارے ستارہ۔“ کالج گیٹ سے بھاگ کے آئی مریم توفیر کا جوش دیکھنے کے لائق تھا۔ اور ان کے نزدیک آتے ہی وہ باقاعدہ فلاںچیں بھرنے لگی۔ آج وہ پورے چار روز کے بعد کالج آئی تھی اس لیے منال اور یمنی یہی سمجھیں کہ اتنے دنوں کی دوری نے اسے اداسی سے بے حال کر دیا ہے لیکن وہ تو آتے ہی ایک ایک کو پیچھوڑ کے نعرے بلند کرنے لگی۔

”ہائے ستارہ! یمنی کی بچی۔! منال میری جان۔! وہ باری باری سب سے لپٹ رہی تھی۔ مارے خوشی کے اس کے گال اناری ہو رہے تھے۔

”ہوا کیا ہے؟“ بالآخر ستارہ اسے زور کی چنگلی کاٹ

کر ہوش میں لائی۔

”وہی۔۔۔ پتا ہے وہی ہو گیا۔ وہ جو حمزہ ہے ناں بالکل ویسا ہی ہے۔“

”کیسا۔؟“

”ویسا ہی۔۔۔ مجھ کو بھی تو لفٹ کراوے۔“ وہ ایک ہاتھ اوپر کر کے تھرکنے لگی۔

”اوہ نو۔ تمہارا مطلب ہے عدنان سمیع جیسا۔“

ستارہ افسوس سے انتقال فرمانے لگی۔

”ہا۔۔۔ ہائے۔۔۔“ یمنی نے اپنا مخصوص ہائے بلند کیا۔ ”مریم! تو تو گئی۔“

”رفع ہو، سارا موڈ ہی خراب کر دیا کوڑھ مغزوں۔“ اس نے تھرکنے بند کر دیا۔

”اوپا گل خانیو! بھول گئیں کہ میں نے گگا کے کیا عرض بھیجی تھی، وہ منظور ہو گئی ہے۔ اللہ نے مجھے لفٹ کرا دی ہے۔“

”سچی؟“ سب نے اسے لپٹا لیا۔

کچھ دیر بعد تینوں اس کے گرد بیٹھی حمزہ نامہ سن رہی تھیں۔

”چلو دیکھنے میں تو وہ ویسا ہی ہے جیسا تم چاہتی تھیں لیکن کیا عادتیں بھی تمہارے آئیڈیل والی ہی ہیں؟“

”ارے کوئی ایسی ویسی؟ ویسا ہی نازک مزاج، ڈر ڈرارا سی بات یہ پارہ ہائی ہو جاتا ہے۔ خالہ بتا رہی تھیں کہ پورا گھر محتاط رہتا ہے کہ کسی خلاف مزاج بات پر حمزہ بھڑک نہ اٹھے۔“ اس کی خوشی سے بے حال ہوتی حالت دیکھ کے یمنی حیران رہ گئی۔

”پانگل نہ ہو تو۔۔۔ یہ کوئی ایسی بات ہے جس پہ لڑیاں ڈالتی پچھ رہی ہو؟ بھلا کسی کو فونوں فونوں کرنا بندہ بھی اچھا لگ سکتا ہے؟ پچھتائے گی تو مریم! بڑا ہی پچھتائے گی جب اس کی بھڑکا بھڑکی کی آج دن رات تجھے سلاگئے گی۔“

”منظور ہے سب منظور ہے۔“

”ہا۔۔۔ ہائے۔۔۔ لگتا ہے مریم توفیر کو تو حمزہ مراد سے عشق ہو گیا ہے۔“

”ہاں واقعی یار! علامات تو ساری وہی ہیں۔“ ستارہ

نے آنکھیں گھمائیں۔

”نہیں یا۔۔۔“ مریم دھیرے سے ہنس دی۔

”عشق و شوق تو خیر کیا ہو گا ہاں یہ ہے کہ مجھے اس کے غصے کی غضبناکی منظور ہے مگر دنیا سے یہ نہیں سنا کہ میرا شوہر زن مرید یا تو ہے یا میں نے اسے مٹھی میں بند رکھا ہوا ہے۔ پتا ہے میری یہ بھالی جیسی بھی ہیں بہر حال بھائی کے ساتھ ہمارے ہی گھر میں رہ تو رہی ہیں، لیکن وہ جو دو سری بھالی تھیں شادی کے سوا سال بعد ہی بھائی کو لے کر الگ ہو گئیں پھر بھی ان کے مقابلے میں بڑی بھالی امی کے لیے زیادہ ناپسندیدہ ہیں وہ اس لیے کہ بھالی ان سے دبتے ہیں، ایمان سے جب وہ گرج رہی ہوں تو ہلکی سی چوں تک نہیں نکلتی بھالی کے منہ سے۔ امی دیکھ دیکھ کر تلملاتی رہتی ہیں۔

نہ بیوی کو ماں کے آگے زبان درازی کرتے دیکھ کے انہیں غصہ آتا ہے، نہ ہی ماں کی زبان سے بیوی کے لیے گالیاں سن کر آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ جب کہ دوسرے بھائی ہمیشہ سے غصے تھے۔ ابتدا میں جب امی اور چھوٹی بھالی میں ہلکی سی ہی کھٹ پٹ ہونے لگی تو بھالی نے خوب گرج برس کے دونوں کو ٹھنڈا کر دیا اور الگ مکان لینے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ لیکن بھالی ان کے اس انتہائی فیصلے کے باوجود امی کے عتاب کی زد میں نہ آئیں کیونکہ امی کے ساتھ ساتھ وہ بھی بھالی کے غصے کا شکار ہوتی رہتی تھیں۔ انہوں نے کبھی بیوی کے ناز نہ اٹھائے، دو ہفتے پرانی دلہن جب پہلی بار ان کے لیے چائے بنا کے لائی تو پھینسی کم ہونے کی وجہ سے انہوں نے بلا تکلف پیالی زمین پہ دے ماری۔۔۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”اور سارا گھر بھالی کی دلجوئی کر رہا تھا ان کے ارد گرد کھڑا۔“ وہ ہنستی چلی گئی۔ ”حالانکہ بڑی بھالی۔۔۔ ان کا بھی معرکہ ہوتا ہے بھالی سے۔۔۔ مگر بظاہر وہ بلائی رہتی ہیں۔ بھالی سر جھکائے سنتے رہتے ہیں اور باہر امی انہیں صلواتیں بنا رہی ہوتی ہیں۔ اب خود سوچو، کتنا سوچنا ہے ان کے شوہر کی بیوی

بننا۔۔۔“ مریم نے کہا۔

”اچھا تو تم لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے اور سسرال والوں کی نظر میں بے ضرر سی بے چاری ہونے کی خاطر ایسا چاہتی تھیں اور ہم سمجھ رہے تھے کہ پتہ نہیں کس انفرادیت کے خناس میں تم ایسا آئیڈیل تراشے بیٹھی تھیں۔“

”ہاں وہ بھی سچ ہے۔ لاشعوری طور پر ہی سہی، لیکن اسی وجہ کے تحت میں نے اپنے آئیڈیل میں یہ خصوصیت سوچی تھی۔“

”اب تم بھی بتا دو تمہارے اس بوڑھے سے آئیڈیل کے پیچھے کیا جواز ہے؟“ یمینی نے منال کو ٹولا۔

”کچھ بھی نہیں یا۔۔۔“ وہ اکتائی ہوئی سی بولی۔ ”میں کیا اور میرا آئیڈیل کیا وہ تو بس ویسے ہی۔۔۔“ سب مریم جیسے خوش نصیب تو نہیں ہوتے کہ انہیں سن لیند سا سہمی مل جائے۔“

”لیکن تم نے بھی تو ابھی اپنے اس امیدوار کو دیکھا نہیں ہے، وہ جو تمہاری بہن کی نند کا بیٹا ہے، ہو سکتا ہے وہ بھی تمہارے آئیڈیل پہ پورا اترتا ہو۔ ویسا ہی ڈارک، ٹال اور۔۔۔ اور۔۔۔“ ستارہ نے رک کر ذرا سا سوچا۔ ”ہاں ایچ والی بات ڈاؤٹ فل ہے۔“

”یہ تو ہے، آپ کی نند اتنی عمر رسیدہ بھی نہیں، ہاں کم عمری میں شادی ہوئی ہوگی اور ادیب ان کا بڑا بیٹا ہے تو زیادہ سے زیادہ بائیس، تیس سال کا ہوگا۔ پتا نہیں کیا، جن چاڑھے۔“ ہیں اس نے کینڈا میں کہ اس کی ماں کو ابھی سے ”آخر چڑھ“ گئی ہے اسے گھوڑی پہ بٹھانے کی۔“ یمینی تو منال کی ساری فیملی سے واقف تھی۔ اس لیے سب مزے سے بتا گئی لیکن یہ بات اس کی سمجھ سے بھی باہر تھی کہ اتنی کم عمری میں اس کا بیاہر جانے کی اس کی ماں کو سو جھبی کیا۔

”آپ کی نند کی بیٹی کوئی نہیں، وہاں کی تیز رفتار زندگی میں شاید وہ اب تھکنے لگی ہوں یا دو سراہٹ تلاش کر رہی ہوں، یا یہ بھی ممکن ہے کہ یمینی ہی سچ کہہ رہی ہو۔ واقعی اس نے کوئی گل کھلائے ہوں یا

بقول یمنی کے ”چن چاڑ ہے“ ہوں۔ سدباب کے لیے اس کی اماں سے کھونٹے سے باندھنے کا سوچ رہی ہوں لیکن۔۔۔ آپلی بھی تو ملوث ہیں اس معاملے میں اور بھائی جان بھی وہ میرے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتے۔“

”نہ اس سے زیادہ ناانصافی اور کیا ہوگی۔ تمہارے آئیڈیل کی اس بری طرح دھجیاں بکھیر دی ہیں۔“

”وہ کیا جانتے ہیں بھلا میرے آئیڈیل کے بارے میں۔“

”تو تارو۔۔۔“

”یوں ہی دماغ خراب ہے کیا میرا۔“

”ویسے آگے رہے ہیں موصوف۔“

”آج کل میں۔۔۔ آپلی اپنے گھر جا چکی ہیں ان کے استقبال کو، آپلی کی نند اور ان کا شوہر تو فی الحال نہیں آ رہے اپنے بھائی کو بھیج دیا ہے بیٹے کی چوکیداری کے لیے، یعنی کہ چچا حضور ساتھ ہوں گے۔“

”پھر تو معاملہ واقعی مشکوک ہے یعنی ”منڈا“ خاص رنگ رنگیلا ہے۔“ چاچا جی ساتھ ہوں گے، سر پہ ڈنڈا لے کر۔“

”یار تم نے کہیں ستارہ کو دیکھا ہے۔ مجھے اس کی کتاب واپس کرنی تھی۔ فزیکل ایجوکیشن کی کلاس میں بھی نہیں تھی۔“ دوسرا پیرڈ لے کر باہر نکلتی مریم نے ان دونوں سے ستارہ کے متعلق استفسار کیا۔

”وہ تو آج آئی ہی نہیں۔“

”نہیں نہیں، میں نے خود اسے صبح دیکھا تھا۔“

”کہاں دیکھا تھا۔ اردو کی کلاس میں تو وہ نہیں تھی۔“ پہلا پیرڈ اردو کلاس کا تھا۔ چاروں ان کا ہی آئیڈل کرتی تھیں۔

”اردو کی کلاس تو وہ اکثر ہی نہیں لیتی۔ ہو سکتا ہے لیٹ آئی ہو۔ چلو کینٹین چل کے دیکھتے ہیں۔“ یمنی نے کینٹین جانے کی جلدی کی۔

”ہمارے کہنے پہ کبھی کبھار مانے مانے چلے جاتے ہیں۔“

جائے تو مجال ہے جو وہاں کی کسی چیز کو ہاتھ لگالے اور اکیلی کینٹین تو وہ ہرگز نہیں جا سکتی اور لیٹ بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کی گاڑی ہماری بائیک سے آگے نکلی تھی۔“ مریم نے وثوق سے کہا۔

”تم نے اسے کالج میں کتنے بچے دیکھا تھا؟“

”نہیں، خیر کالج میں تو نہیں دیکھا، شادمان کے چوک پر سنکل کھلا تو میری نظر بڑی تھی، میں اسے متوجہ کرنا ہی چاہتی تھی کہ اس کے ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھالی اور وہ مڑا بھی دائیں جانب ہی تھا، یعنی کالج کی طرف۔ بھیانے کچھ نوٹس نوٹو اسٹیٹ کروانے تھے، ہمیں پانچ دس منٹ وہاں لگ گئے۔ اردو کی کلاس میں تو وہ اکثر نہیں ہوتی، اس لیے میں نے نوٹس نہیں لیا۔ اب ایجوکیشن کی کلاس میں بھی نہیں تھی۔ میں نے سوچا شاید تم لوگوں کے ساتھ گپ لگا رہی ہو۔ تم دونوں کا یہ پیرڈ فری ہوتا ہے نا۔“

”پتا نہیں تم نے کسے دیکھ لیا ہے۔ میرا تو خیال ہے وہ آج کالج نہیں آئی۔ خیر چلو، نیل ہو گئی ہے، انگلش کا پیرڈ شروع ہونے والا ہے۔ ابھی پتا چل جائے گا وہ آئی ہے یا نہیں کیونکہ اکٹھے تین کلاسز تو بک نہیں کر سکتی۔“

”ہاں یہ تو ہے۔ مگر مجھے یقین ہے وہ ستارہ ہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس کے بال چہرے پر پھیلے ہوئے تھے اور ڈارک سن گلاسز اور ڈرائیور بھی وہی تھا۔“

”ڈرائیور بھی ایک جیسے لگتے ہیں اور جہاں تک میرا مشاہدہ ہے، ان بڑی بڑی گاڑیوں میں ڈرائیور کے پیچھے گردن اکڑا کے بیٹھی کبھی عورتیں اور لڑکیاں بھی ایک جیسی ہی ہوتی ہیں۔“ یمنی نے تیز تیز چلتے ہوئے کہا اور انگلش کی کلاس اور بعد میں ہونے والی تمام کلاسز میں اس کی غیر موجودگی نے ثابت کر دیا کہ ستارہ راتھور آج غیر حاضر تھی۔

”امی! دیکھیے یہ بچی مجھے تنگ کر رہا ہے، اسے اپنے پاس بلا لیں۔“ نوال نے آواز لگائی۔ بچی اسکول

یونیفارم میں ان ہی کے گھر آ گیا تھا اور اب رشوکے ساتھ مل کر نوال کو تنگ کر رہا تھا۔ آج ان کے گھر مشعل آپلی کی نند کے بیٹے اپنے بچا کے ساتھ کھانے پر آ رہے تھے، اس لیے یمنی کالج کے بعد سیدھی وہیں چلی آئی اور اسے یہ دیکھ کر ذرا حیرت نہ ہوئی کہ یمنی اس سے پہلے وہاں موجود تھا۔

اس کی اور نوال کی تو تو میں میں باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ منل کالج میں بھی سارا دن گھبراہٹ کا شکار رہی اور راستے میں تو وہ آنکھیں بند کر کے باقاعدہ منتیں مان رہی تھی کہ آج ان کے آنے کا پروگرام کینسل ہو جائے لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی سامنے مشعل آپلی کو اخضر کے لائے سودا سلف میں مین میخ نکالتے دیکھا تو سمجھ گئی اس کی دعا میں قبول نہیں ہوئی۔ امی ڈھیر ساری پیاز پھیلانے، آنسو بہاتی کاٹ رہی تھیں۔ ٹیبل پر چھوٹے بڑے شاپرز کا ڈھیر لگا تھا۔ کہیں پھل، کہیں سبزی، کہیں گوشت، کہیں مرغی اور کہیں مسالوں کے پیکٹ جھانک رہے تھے۔

”آگئی ہو؟“ مشعل آپلی نے اسے دیکھ کے تیوری چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے کل منع بھی کیا تھا کہ آج کالج مت جانا، اتنا کام ہو گا گھر میں۔“

”اپنی! فائنل ایگزیم کی ڈیٹ شیٹ آگئی ہے، اب کچھ ہی دن تو کالج جانا ہے۔ اس کے بعد فری ہو جاؤں گی۔ فی الحال میں کوئی کلاس چھوڑنا انورڈ نہیں کر سکتی۔“

”چلو اب چینیج کر لو اور گھس جاؤ بچن میں۔ سارہ کو اسکول نہ جانا ہوتا تو میں صبح ہی آجاتی۔ کسی کو پروا ہی نہیں کہ رات کے کھانے کی تیاری کرنا ہے، کچھ منگوا کے بھی نہیں رکھا ہوا تھا۔“ انہوں نے لسٹ دیکھ دیکھ کر چیزیں شاپرز سے نکالنا شروع کیں، منال ڈھیلے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ یمنی کو لونگ روم کی طرف بڑھتے دیکھ کر آپلی نے ٹوکا۔

”خبردار یمنی! کینڈی کو مت جگانا۔ اسے میں نے ابھی سلایا ہے ورنہ مجھے کوئی کام نہیں کرنے دے

گی۔“

”بس پیار کر کے آجاؤں گی۔“ وہ پھلی۔

”کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے سب پتا ہے، تم اسے جگا کے رہو گی اور وہ اپنا بابا بجا بجا کے کسی کو کام نہیں کرنے دے گی۔“

”آپ فکر مت کریں، میں ہوں نا، میں سنبھال لوں گی۔“

”پہلے تو تم یہ فروٹ سنبھالو۔“ انہوں نے شاپرز اسے پکڑائے۔ ”مرغی سنک میں رکھ کے آئی ہوں، اسے دھوؤ۔ میں ذرا یہ مسالے پیس لوں، کینڈی کو سنبھالنے کے بجائے فی الحال تم رات کے کھانے کی تیاری میں ہاتھ بٹاؤ۔“

”میں مرغی نہیں دھوؤں گی، مسالے پیس لیتی ہوں۔“

”اچھی بات ہے پھر یہ مسالے پینے کے بعد قیے میں ملانا بھی ہوں گے۔“

”نوپر اہلم، میں کباب بنا لوں گی۔“ وہ وہیں بیٹھ کے زیرہ اور ثابت سفید دھنیا چننے لگی۔

”امی! کیا آج پیازو کی دیگ چڑھے گی۔“ اخضر نے ڈھیروں ڈھیر ہاز دیکھ کے کہا۔

”بیٹا! کچھ پلاؤ میں ڈالے گی، کچھ قورے میں، کچھ کباب میں۔۔۔ سلاڈ کے لیے بھی ہو جائے گی۔“

”آپلی! میں کوئی چائنیز ڈش بھی بنا لوں؟“ یمنی نے پیشکش کی۔

”نہیں، ایڈی کو چائنیز پسند نہیں۔“

”ٹیڈی؟ یہ ٹیڈی کون ہے؟“

”ٹیڈی نہیں، ایڈی۔۔۔ اویب کو پیار سے ایڈی کہتے ہیں۔“

”اور غصے سے؟“

”تمہارا سر۔“

”لو بھلا۔۔۔ میرا سر کیوں۔ بانی دادے، یہ ٹیڈی صاحب کو چائنیز کیوں ناپسند ہیں۔ میرا خیال ہے انہیں کسی نے بتایا ہو گا، چینی“ کھانے سے شوگر ہو جاتی ہے۔“

”بس باتیں ہی کرتی رہتا تم اور یہ منال بھی کمرے میں گھس کے بیٹھ ہی گئی ہے۔ ایک وہ نوال ہے جو گھنٹہ بھر سے کمرے میں بیچی کے ساتھ جھگڑ رہی ہے۔ ایک کے ایف اے کے امتحان سر رہے ہیں دوسرے کے میٹرک کے بورڈ کے امتحان چل رہے ہیں لیکن کتنی فرصت ہے لڑنے کے لیے۔“

”میں دیکھتی ہوں۔“

”اللہ کرے تم سو نو ٹم کی سی ڈی خریدو اندر سے اظاف راجہ کے گانے نکل آئیں۔“ بیچی نے نجانے نوال کی کس بات پر مشتعل ہو کے بلبلا تے ہوئے بددعا دی۔

”اور اللہ کرے تم شاید آفریدی کا پوسٹر خریدو گھر آتے آتے وہ مرنا دھرن کا ہو جائے۔“ نوال کیوں پیچھے رہتی۔

”اللہ کرے تم ایشوریہ رائے کی فلم دیکھنے لگو اور صائمہ کی فلم لگ جائے۔“

”اللہ کرے تم لیونارڈو کا ہیرکٹ بنوانے جاؤ ہیٹو ڈریسر تمہارا سلطان راہی کٹ بنا دے۔“

”با۔س۔“ بیچی نے دونوں کو ڈپٹ کے چپ کرایا۔

”اور تم بیچی! تم ہر وقت یہاں کیوں گھسے رہتے ہو؟“ وہ اسے کھینچ کر باہر لائی۔ ”گھر میں تمہیں چین نہیں۔“

”اور تمہیں چین نہیں، تم بھی تو ہمیں گھسی رہتی ہو۔“

”بد تمیز۔ زبان چلاتے ہو۔“

”اور تم جو ہاتھ چلا رہی ہو۔“ خضر نے بیچی کے برجستہ مکالموں پر تالی بجا کے ہادی۔ بیچی نے غصے سے اسے دیکھا مگر خاموش رہی۔

”تم اور شیر کو اسے۔“ آپی نے ڈانٹا۔ ”وہ تو بیچی! بیچی! بیچی!“

”بی بی بات ہے۔ بڑی بہن کے ساتھ بس طرح طرح کی بات کرتے ہو شرم نہیں آتی۔ کوئی کچھ سے ڈرنا ہے،“

”اجی یا آپی کیوں نہیں کہتے۔“

”خضر بھائی، بیچی تو آئے کہ آپ نہیں کہتے۔“

توان سے بڑی ہیں۔“

”یہی تم سے چار پانچ سال بڑی ہے اور میں اخضر سے صرف ڈیڑھ سال بڑی ہوں پھر بھی وہ مجھے آپ تو کہتا ہے نا۔ ہاں آپی کہنے کی اسے عادت نہیں۔“

”میں نے بہت کوشش کی اسے سکھانے کی کہ مشعل تم سے بڑی ہے، آپی کہا کرو۔“ امی نے بتانا شروع کیا۔ ”لیکن یہ سوال جواب بہت کرتا تھا، ایک دن کہنے لگا، ٹھیک ہے میں مشعل کو آپی کہوں گا لیکن منال بھی تو مجھ سے چھوٹی ہے، یہ کیوں نہیں مجھے آپی کہتی۔“ اس بات پر ہنسے تو سارے ہی لیکن اخضر کو زیادہ غصہ بیچی کی ہنسی پر آیا۔

”تمہارے کیوں رانت نکل رہے ہیں؟“

”اخضر۔“ آپی نے ٹوکا۔ وہ چپ چاپ پے ہوئے مسالے پکین میں لے گئی۔

”اب تم ہی بڑے ہو جاؤ۔ دیکھو بیچی کتنی سمجھ دار ہو گئی ہے۔ پہلے نوال اور بیچی کی طرح تم دونوں کی چونچیں بچی لڑتی رہتی تھیں لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ بیچی بہت صلح جو ہو گئی ہے، جبکہ تم ایسے ہی کٹ کہتے ہو۔“

وہ چپ چاپ بیٹھا امی کے آگے سے کچی پیاز اٹھا کے منہ میں رکھتا رہا۔ اس کی تو خود سمجھ سے باہر تھا، بیچی کا رویہ وہ کتنی کوشش کرنا کہ اسے پھر سے برانے والے روپ میں دیکھ سکے لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی تھی۔ وہ اس سے خاصی حد تک کترائی ہوئی رہنے لگی تھی۔ اس کے ہر جملے کے جملے کے جواب میں اس کے پاس ایک خاموش گریز ہوتا تھا۔



”اما! میں منال کی طرف جا رہی ہوں۔“

”ہاں! میں بھی کچھ دیر پہلے تو تم وہاں سے آئی تھیں۔“

”اما! آپ کو کل بتایا تو تھا کہ آج منال کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آرہے ہیں۔“ اس نے عجلت سے بیچلے بیچلے منال کی طرف اشارہ کیا۔

”اس نے عجلت سے بیچلے بیچلے منال کی طرف اشارہ کیا۔“

کچھ دیر پہلے ہی نہانے کی وجہ سے اس کے شانوں تک آتے سیدھے بالوں میں ہلکی سی کمی ابھی باقی تھی۔ میک اپ سے بے نیاز دھلا دھلا یا گلابی چہرہ اندرونی مسرت اور جوش سے دمک رہا تھا اور میروں کڑھائی والا سر منی کاٹن کا سوٹ اس کے وجود پر خوب اٹھ رہا تھا۔ کنول خواجہ نے نظر بھر کے اسے دیکھا اور سمجھانے کی کوشش کی۔

”بیٹا جی! میرا تو خیال ہے اس وقت تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں۔ یہ بہت نازک معاملہ ہوتا ہے۔ آغا صاحب کی فیملی کو تو میں جانتی ہوں، آنے والے غیر انجان لوگ ہیں، نجانے کیا سمجھ بیٹھیں۔ تم فی الحال نہ ہی جاؤ تو بہتر ہے۔“

”ان ماما! آپس آپ یہ تو نہیں سوچ رہیں کہ میں منال سے زیادہ اچھی ہوں۔“ اس نے ناز سے بالوں میں انگلیاں چلائی اور ایسا کرتے ہوئے بے ساختہ اسے ستارہ رانچوریا اور وہ ہنس پڑی۔

”میں منال کو بتاؤں گی، کتنا جیلنس ہوگی وہ۔ لیکن آپ فکر نہ کریں، آنے والے مہمانوں کو خوبصورتی سے زیادہ سلیقہ شعاری کی تلاش ہے جو آپ کی بیٹی میں منال کی نسبت ذرا سی کم ہے۔“ اس نے ”ذرا سی“ کا اشارہ کرتے ہوئے دونوں بازو پھیلائے۔

”اور پھر یہ مہمان بھی غیر لوگ نہیں، مشعل آپی کے سسرال والے ہیں۔ ان کی نند نے اپنے بیٹے کا پروپوزل دیا ہے اور اما! میرا جانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ لڑکا خود آ رہا ہے منال کو دیکھنے اور وہ بے چاری حد سے زیادہ نروس ہے۔“ وہ اچانک اندر کمرے کی طرف مڑی، اسے یاد آ گیا تھا کہ منال نے سلور لیس والا بلیک نیٹ کا ڈیپٹہ منگوا لیا تھا۔

”ظاہر! ہماری بیچی بھی اب بڑی ہو گئی۔“ کنول نے اپنے شوہر کو اطلاع دی جس کا احساس انہیں بھی بس ابھی ابھی ہوا تھا۔ بچوں کو اعلا تعلیم دلوانے کی خواہش اور اچھے سے اچھا طرز حیات دینے کی تمنا نے انہیں پچھلے کئی سالوں سے مصروف کر رکھا تھا۔ ظاہر خواجہ کی گورنمنٹ سروس اور حق حلال کی کمائی بس گزر بسر

کے لیے ہی کافی تھی، تب انہوں نے بچوں کے ذرا سا بڑے ہوتے ہی اپنی اعلا تعلیم کو کام میں لانے کا سوچا اور بینک کی جانب کے ذریعے اپنے خواہوں کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ ایک عام سی رہائشی کالونی میں درمیانے درجے کا ہی سہی مگر ان کا اپنا ذاتی گھر اس مختصر سی فیملی کے لیے بہت تھا۔ بچے اعلا تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، ایک سینکڑ ہینڈ کار بھی تھی، گھر میں سہولیات کی تمام چیزیں تھیں مگر ان کی زندگی کے قیمتی پندرہ سال اس بھاگ دوڑ میں کہیں گم ہو گئے تھے۔

”مجھے پتا بھی نہیں چلا اور ہماری بیٹی کتنی بڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ کی سے منال اور اس کے گھر والے اس کے لیے رشتہ فاشل کر رہے ہیں جبکہ کمال ہے، ہمیں آج تک اس کا خیال تک نہیں آیا۔“

”بیچی! ہماری اکلوتی بیچی ہے، ابھی اسے بڑھنے دو، جتنا بھی وہ پڑھنا چاہے، کم از کم پانچ چھ سال تک میں اس کی شادی کے بارے میں سوچنا تک نہیں چاہتا۔“

”پانچ چھ سال؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ وہ ڈھائی ماہ بعد وہ اپنا بی اے کر لے گی۔ اگر اسے ماسٹرز بھی کرنا ہو تو اگلے ڈھائی سال بہت ہیں۔ چھ سال بعد اس کی کیا عمر ہوگی، کچھ اندازہ ہے؟“

”بیچی! ابھی میٹرک میں سے، دس یا شاید بارہ سال تک اس کی شادی کا امکان نہیں۔ بیچی کو رخصت کر کے کیا گھر ویران کرنا ہے۔“

”یہ ویرانیاں، اداسیاں تو بیٹیوں والے گھروں کا مقدر ہوتی ہیں، اس سے کیا گھبراؤ۔ بس بچیاں مناسب وقت میں اپنے گھروں کی ہو جائیں، میں تو کہتی ہوں ادھر ادھر دیکھیں، کہیں ذکر چھپیں، اگر اس کا ارادہ ماسٹرز کرنے کا ہو تو ابھی صرف منٹنی کر دیں گے، ویسے بھی اچھے رشتے کہاں آسانی سے ملتے ہیں۔ ابھی سے کوشش شروع کریں، نجانے کب کوئی معیار پر پورا اترے۔“

ہاتھ میں تمہ کیا دوپٹہ تھا، بیچی اپنے کمرے کے دروازے پر رکھی، یہ گفتگو مزے لے لے کر سن رہی

تھی۔ جب بھی مریم اور منال اپنے کسی تازہ پروڈونل کے بارے میں بات کرتیں تو وہ سوچتی رہ جاتی کہ اس کی ہم عمر لڑکیوں کے اتنے رشتے آتے ہیں کیا وہی ایسی گئی گزری ہے کہ اب تک ہلکا سا کنکر بھی کسی نے اس بیری پر نہیں مارا۔ حیرت اسے ماما اور پاپا پر بھی ہوئی جن کے مابین کبھی ہلکا سا ذکر بھی اس موضوع پر نہیں چھڑا اور آج وہ من میں پھونٹے لڈوؤں کے مزے لیتی یہ گفتگو چوری چوری سن رہی تھی۔

”معیار تو بس یہی رکھنا چاہیے۔ شریف گھرانہ“ باعزت معاش، خاندانی لوگ، ذمہ دار لڑکا، باقی سب۔ حیثیت، مرتبہ، دولت، جائیداد تو آئی جانی چیزیں ہیں، سب بچوں کا اپنا مقدر ہوتا ہے۔“

”پھر بھی کچھ تو دیکھنا چاہیے۔“ ویسے شاید تمہیں یاد ہو، ایک بار آغا صاحب نے ہلکا سا ذکر تو چھیڑا تھا اپنے بیٹے کے لیے مگر تب یمنی بہت کم عمر تھی، ہم دونوں نے ہنس کر ٹال دیا، اب نجانے ان کا کیا ارادہ ہو۔“ پاپا کی بات پر وہ بری طرح چونکی۔ یہ اطلاع اس کے لیے انکشاف تھا۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ مانا کہ آغا صاحب کا گھرانہ بے حد شریف اور عزت دار ہے، بہت ہی اچھے لوگ ہیں سب کے سب مگر لڑکی صرف گھرانے کو تو نہیں بیانی ہوتی، لڑکا پچھلے دو سالوں سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ باپ اس پرانے اسکوٹر پر دفتر جاتا ہے اور سارا گھر بے چارے بوڑھے آغا صاحب کے سر پر ہے۔“

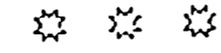
”لڑکا بے روزگار ہے مگر کم پڑھا لکھایا کھٹو نہیں، اعلا درجے کی ڈگری ہے اس کے پاس، ذہانت اور ایمان داری بھی ہے۔ اسے موقع ملتا تو بہت جلد ترقی کرے گا ان شاء اللہ۔ خود دار اتنا ہے کہ فارش تہیل کرنے سے انکا کوئی بھگدورہ اب تک آغا صاحب اپنے افسروں کے کہہ سن کر کہیں نہ کہیں دھکے کھاتے ہوئے ہے۔“

”سنا ہے، ہنسی نے یہاں تک آفری کی گئی کہ قرض لے کر کاروبار شروع کر لو مرنہ مانا۔“

کی بے روزگاری کے علاوہ اور کوئی بات ہے جو کھٹکتی ہے؟“

”نہیں۔۔۔ یہ تو ہے۔“ وہ متفق ہو گئیں۔ ”بہت شریف اور طنسار لوگ ہیں، رکھ رکھاؤ والے، اپنی یمنی کو چاہتے بھی بہت ہیں۔ ایک بیٹی کی ماں کا یہ بھی بڑا مان ہوتا ہے کہ اس کی بیٹی چاہنے والے خیال رکھنے والے لوگوں کے بیچ ہو، کسی بیچ کا لڑائی کا اندیشہ نہ ہو۔“

”بس پھر یمنی کا رزلٹ آنے تک انتظار کر لو، اگر اخضر کی جا ب لگ گئی اور ان لوگوں کا ارادہ اب بھی یمنی کے لیے ہو تو وہ خود ہی پہل کر لیں گے۔“



”مریم بیٹا! روٹی ذرا احتیاط سے ڈالا کرو، میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے ہاتھ سے توے تک پینچتے پینچتے روٹی کے ہزار ہاتھ پیر نکل آتے ہیں۔“ مریم ماں کی اس بات پر پھٹ پڑی۔ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی ایک تو صبح سے سارا دھیان منال کی طرف لگا ہوا تھا۔ آج ادب اسے دیکھنے آ رہا تھا، وہ تو کالج تک نہیں جاسکی۔ اسے یمنی پر رشک آ رہا تھا، جو اس کے گھر کے قریب ہی رہتی تھی۔ وہ تو صبح اسی کی زبانیں ساری روئیداد سن پائے گی۔

سارے کام لٹے سیدھے ہو رہے تھے، اوپر سے خالہ اور امی دونوں نے حمزہ کو ہوا بنا کے اس کے سر پر سوار کر رکھا تھا۔ حالانکہ وہ پچھلے پانچ روز سے دیکھ رہی تھی کہ بے شک وہ ذرا کم گو اور سنجیدہ مزاج ہے۔ ہو سکتا ہے خالہ کے بیان کے مطابق واقعی مزاج کا ٹیکھا بلکہ کڑوا کیلا بھی ہو مگر اتنا لحاظ تو تھا کہ پرانے گھر اور وہ بھی متوقع سسرال میں اب تک آئے سے باہر نہیں ہوا تھا۔ خالہ یہ خوشخبری بھی دے چکی تھیں کہ اس نے مریم کے بارے میں رضامندی کا اظہار کر دیا ہے پھر یہاں تک کیا بات تھی کہ ان دونوں کی ہدایتیں اسے بولانے دیتی تھیں۔

”پاپا! امت ماننا یوں چیل گھمیدٹ کے مت چلا

کر۔ حمزہ چڑ جاتا ہے چیل گھمیدٹ کی آواز سے اور ابھی تک تو اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا، یہ نہ ہو غصے میں آکے ناشتے ہی سے اٹھ کے چلا جائے۔“ خالہ اسے ہدایت کرتیں اور وہ مارے احتیاط کے چیل ہی اتا دیتی اور ننگے پیر سج سج چلاتی کچن تک جاتی۔ وہ وہاں بھی پیچھے اور سر پر سوار۔

”احتیاط سے ڈالنا انڈہ زردی ٹوٹی یا بیٹھی ہوئی ہو تو بس سمجھو شامت ہی آگئی۔ میں تو خیر عادی ہوں، تمہاری فکر سے کہیں اس کے روٹے سے دل نہ ٹوٹ جائے، اس لیے بہت احتیاط سے کام کرو مانا کہ اسے شکایت کا موقع ہی نہ ملے۔“ وہ یوں آگے کوچک کر بغور اس کی کارکردگی ملاحظہ کرتیں کہ مریم کے ہاتھ سے کنکیر گر جاتا اور زردی بیٹھنے کے بجائے ہاتھ پیر پھیلا کے لیٹ جاتی۔ بمشکل اسے فرائی پین سے نکال کر پلیٹ میں رکھتی، ٹوسٹر میں ٹوس اس کے دل کی طرح راکھ ہو چکے ہوتے۔

”اب یہ تو اس کے سامنے مت رکھنا ورنہ نہ یہ ٹرے سلامت رہے گی، نہ تمہارا سر۔“ وہ چپ چاپ دوسرا انڈا اٹھا لیتی اور یوں تلتی جیسے بڑا معرکہ انجام دینے والی ہو۔

جو بھی تھا ان کڑی ہدایتوں اور گھمداشتوں کے نتیجے میں اب تک حمزہ کا اہل اس پر ظاہر نہ ہوا تھا، حالانکہ اندر سے وہ مری جا رہی تھی کہ بس ایک بار۔ ایک بار تو دیکھے۔ وہ غصے میں کیسا لگتا ہے، جو بغیر غصے کے ہی ایسا زبردست ہے۔ کئی بار دل چاہا جان بوجھ کے کام بگاڑے مگر بھلا ہو خالہ جان کا جو خدائی فوجدار کی طرح اس کے سر پر مساطر رہتی تھیں۔

”اچھی بھلی تو روٹی ہے، آپ کو خالہ جان کی دیکھا دیکھی عادت پڑ گئی ہے، نقص نکالنے کی۔“

”چپ کسے سن لیں گی آپ۔“ انہوں نے آواز دبا کے گھر کا پھر بیٹی کے بے زار چہرے کو دیکھ کے سرگوشی کی۔

”خیر۔۔۔ عاجز تو میں بھی آگئی ہوں، سوچتی ہوں تو یہ پہاڑی زندگی یوں چھری تلے سانس لیتے ہوئے کیسے

گزارے گی۔ حمزہ اپنا بچہ ہے، شریف ہے، کماؤ ہے، لیکن مزاج۔۔۔ انکارے چبائے رکھتا ہے۔ جسے ماں کا دید لحاظ نہ ہو، بیوی کو تو ٹھو کڑوں پر رکھے گا۔ بس۔۔۔ ہاں۔۔۔ میرا جی نہیں مانتا۔ صاف صاف کہہ دوں گی آپ سے۔“ وہ تذبذب کے عالم میں تھیں اور مریم کا پیڑا بناتا ہوا ہاتھ کانپ کانپ گیا، اس نے ڈری ہی نظر اٹھائی۔ امی کے متشکر چہرے پر سوچ کی پرچھائیں تھیں۔

”کاش۔۔۔ اے کاش۔۔۔ میری پیاری امی۔۔۔ اپنی سوچوں کے بھنور سے نکل کر ایک بار بیٹی کی آنکھوں میں دیکھ لیں۔“ اس کے دل نے چپکے سے دعا کی۔

”پھر سوچتی ہوں۔۔۔ جو بھی ہے حمزہ دیکھا بھلا تو ہے۔ جیسا بھی ہے آپا نے چھپایا تو نہیں۔ مردوں میں سو عیب ہوتے ہیں۔ اللہ نہ کرے جو حمزہ میں ایسا کوئی عیب ہو، بس ذرا زبان کا کڑوا اور غصے کا تیز ہے۔ ایسے لوگ دل کے صاف ہوتے ہیں۔“

”ہاں امی جی! سنا تو یہی ہے۔“ اس نے جھکتے ہوئے تائید کی، درپردہ اپنے خیال سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ بھی چونک گئیں۔

”خدا نخواستہ، غیروں میں کوئی ایسا ویسا نکرا گیا تو بس۔۔۔ یہ مت سمجھنا ماں بوجھ کی طرح سر سے اتار کر غصیلے دیو کے حوالے کر رہی ہے۔ وہاں تیری خالہ ہے، میری ماں جانی، تجھے سینے سے لگا کے رکھے گی۔ دیکھ اب بھی کتنا دھیان رکھتی ہے تیرا، بلکہ تیری ساس تیری ڈھال بنے گی، ان شاء اللہ۔“ وہ مسکرا دی۔ یہ تو وہ پہلے سے جانتی تھی، اب بھی حمزہ کی تمام بے نیازیوں اور اکھڑے اکھڑے انداز کی وضاحت پیش کرتے ہوئے خالہ جان ہمہ وقت اس کا ازالہ کرنے کی کوششیں کرتی رہتیں۔

روٹیاں پکا کے باٹ باٹ میں رکھنے کے بعد وہ کچن سے نکل آئی۔ ڈائننگ ٹیبل پہلے ہی اس نے لگا رکھی تھی، امی کے بلانے پر خالہ جان اور حمزہ بھی آگئے۔ صبح انہیں واپس جانا تھا اس لیے اندر پینگ ہو رہی تھی۔ ”آپ یہ لیں۔“ اس نے دوپہر کا قیمہ کر لیے آگے کیا جو اس نے بڑے دل سے پکایا تھا۔ خالہ جان کے

بتانے پر کہ وہ کرلیے شوق سے کھاتا ہے لیکن دوپہر کے کھانے پر وہ گھر میں ہی نہیں نکلتا۔ اس نے مریم کے کہنے پر ذرا سی نظر اٹھا کے اسے اپنی بے تاثر آنکھوں سے دیکھا اور دُش کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

”ہائے۔۔۔ ہائے۔۔۔ کیا کرتی ہو بیٹی! اس نے بھلا کب دوپہر کا پکا رات کو کھایا ہے۔ تو بس۔ میں نے تو کبھی دوسرے وقت کا بچا سالن اس کے سامنے نہیں کیا۔“ خالہ نے دُش اپنی طرف بڑھائی۔ حمزہ کا ہاتھ وہیں رہ گیا۔ اس نے ایک بے زار سی نظروں پر ڈالی اور سر جھٹک کے کھانا شروع کر دیا۔

”چاولوں میں نمک تیز ہے بیٹی!“ خالہ جان نے مطلع کیا۔

”اوں۔۔۔ ہوں۔“ انہوں نے ایسا منہ بنایا جیسے زہر پیمانک لیا ہو۔

”تو بس۔ میں نے رائتہ ڈالا تاکہ چاولوں کا نمک کم محسوس ہو مگر ذائقہ ہی خراب ہو گیا۔ نمک کے ساتھ ساتھ مرچ بھی بے تحاشا اندلی ہوئی ہے۔“

حمزہ نے زور سے چیخ پلٹ میں پھینکا۔ دھتکے کے ساتھ کرسی پیچھے دھکیلی اور جھٹکے سے گھڑا ہو گیا۔ ایک لمحے کے اندر اندر وہ لے لے لے ڈگ بھرتا اس کمرے میں تھا جو اس کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔

”دیکھا چلا گیا نا“ اسی بات سے دُرتی تھی میں۔ اب جب ہم صبح جانے والے ہیں میں نے فون پر حمزہ کے ابا سے اجازت لے لی تھی اور آج رات میں باضابطہ بان کرنے ہی والی تھی۔ اب دیکھو اس لڑکے کا غصہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔ ہائے بے چاری بیٹی۔ کیا ہے جو ذرا سی بھول چوک ہو گئی۔ خیر تو فکر نہ کر مریم! میں سمجھاتی ہوں۔ دل چھوٹا نہ کرنا، مزہ کس! تم بھی پریشان مت ہو۔ غصہ تمہارا بہت ہے۔ ضرور تھی ہی ہوتی ہے۔ اتنا بھی نہیں بچاؤ کہیں کے دل کا بچ سے تارک ہو چکے ہیں۔“

وہ مریم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتی تھی۔

ہوئے اس کی نظر حمزہ کی چھوڑی ہوئی پلیٹ تک گئی۔ وہ آدھی سے زیادہ خالی تھی، چاول بھی اور وہ زہر کڑوا رائتہ بھی۔ وہ اب گھٹی۔

ماما اور پاپا کی باتوں نے اس کی دھڑکنوں کو ایک نئی اور خوشگوار لہر دے دی۔ اسے اب اس گھر جانا دشوار محسوس ہونے لگا لیکن یہ سوچ کر چل دی کہ منال اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔

اخضر سے سامنا کرنا اب پہلے کی نسبت کہیں زیادہ مشکل تھا۔ وہ تو پہلے ہی کوشش کرتی تھی کہ اس سے کم سے کم مخاطب ہو۔ حالانکہ کئی سال بے تکلف دوستوں کی طرح لڑتے جھگڑتے، کھیلتے گزرے تھے۔ اگرچہ وہ منال کا بڑا بھائی تھا اور منال اور نوال دونوں اپنے بھائی سے اتنی بے تکلف نہ تھیں۔ وہ اسے چھیڑتا، چیزا تاکہ وہ اپنے گھر کے بجائے زیادہ وقت ان کے گھر میں پائی جاتی ہے اور وہ جوانی کا رروائی کے طور پر اسے نت نئے نام دیتی لیکن جب سے اس کے دل نے اخضر کے بارے میں کچھ اور طرح سے سوچنا شروع کیا وہ دل کی اس بے ایمانی پر مارے خجالت کے چپ ہی کر گئی۔ اپنے بدلتے محسوسات کو اس نے صرف خود تک محدود رکھا اور منال جیسی قریبی دوست کو بھی ہوا نہ لگنے دی تو اخضر کو کیسے اندازہ ہونے دیتی۔ کہیں اس کا اندر اس پر عیاں نہ ہو جائے، اسی ڈر سے اس نے اخضر کے سامنے کم سے کم آنا شروع کر دیا مگر وہ عادت کے مطابق اس پہ جلانے والے فقرے اچھالتا یعنی یا تو خاموش ہو جاتی یا منظر سے ہی غائب ہو جاتی۔ شروع شروع میں وہ بڑا حیران ہوا اس کے روتے سے، وہ اور گھبرا گئی۔ کہیں کرید کرید کے اصل تمہ تک نہ جا پہنچے۔ یہ تو اس کے کمان میں بھی نہ تھا کہ کبھی آئی اس کے بارے میں اخضر کی بات کر چکی ہوں گی وہ سوچنے لگی۔

”بھلا یہ کس زمانے کی بات ہوگی؟“

لٹے سیدھے خیالات میں الجھی وہ منال کے گھر پہنچتی تو مہمان آپکے تھے۔ کمرے میں ٹھکی بیٹھی منال

کی حالت بدتر تھی۔ بلیک جارحٹ کا سوٹ سلور منقش سے دمک رہا تھا اور اس میں منال کی گندی رنگت ابھر رہی تھی۔ لمبے بال پشت پر لہرا رہے تھے، اس کے پورے وجود پر کیکپا ہٹ طاری تھی۔ یعنی کو وہ یوں گھبرائی گھبرائی بڑی ہی باری لگی۔

”ہا۔۔۔ ہائے۔۔۔ بلیک کپڑے جان بوجھ کے پہنے ہیں نا، پتا جو ہے کہ اس رنگ میں کتنی اچھی لگتی ہے۔ ویسے اوپر اوپر سے بن رہی ہے۔ جیسے کوئی پروا نہیں، چاہے پسند کرے، چاہے نہ کرے۔“ اس نے نقل اناری۔

”یمنی! میں اس طرح بالکل اس کے سامنے نہیں جا سکتی۔ کتنا عجیب سا لگتا ہے تاکہ میں ایسے بن سنور کر اس شخص کے سامنے جاؤں۔ اف کیا مصیبت ہے، مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب۔“ وہ ہاتھ مل مل کر سرخ کر رہی تھی۔

”کول ڈاؤن یارا! اگر ایسے ہی سوچتی رہیں تو یہ گھبراہٹ یونہی برقرار رہے گی۔ تم یہ مت سوچو کہ وہ تمہیں دیکھنے آیا ہے، یہ یقین کر لو کہ وہ بردکھوے کے لیے آیا ہے۔ تم کو اسے پاس کرنا ہے، اس طرح دوپٹہ اٹھائی پر پلیٹ پلیٹ کر ستیا ناس نہ مارو۔ یہ تمہارا ذاتی نہیں، ادھار مانگا ہوا ہے۔ میرے بڑے قیمتی سوٹ کی چیکنگ کا ہے۔“ اسے نفسیاتی حربوں سے پرسکون کرتی یمنی کی نظر اچانک اپنے دوپٹے پر پڑی تو سارا لیکچر بھول بھال اپنا دوپٹہ جھپٹ کر اس کے ہاتھوں سے کھینچا۔

”ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ بی کونفیڈنٹ۔۔۔ ہاتھ کمر کے پیچھے باندھو، گردن اونچی کرو، ماتھے پر ایک دو تیوریاں سجاؤ، آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب جاؤ۔“ اسم سے اٹھ کے صوفے کے اوپر نہ کھڑا ہو گیا تو میرا نام بدل دینا پھر اسے سر سے پیر تک تشیدی نظروں سے گھورنا، سر ہانا اور کہنا۔۔۔

”کتنے آدمی تھے؟“ یمنی نے گہرے لہجے کی آواز نکالی، سب ہنسنے لگے۔ باہر سے آغا صاحب کے کمنڈھارنے کی آواز پر ان سب کو اپنے قہقہوں کو

پریک لگانا پڑی۔ شاید ان کی آوازیں باہر تک چارہی تھیں اور یہ آغا صاحب کی طرف سے وارننگ تھی۔ اچانک آلی اندر آئیں۔

”یا اللہ! کیا بنے گا اس لڑکی کا۔ شکل دیکھو، ٹھیکرے برس رہے ہیں۔“ آتے ہی جوانہوں نے منال کے ہواٹیاں اڑے چہرے کو دیکھا تو سر پیٹ لیا۔

”آلی! یہ ٹھیکرے کیا ہوتے ہیں اور کس کام آتے ہیں؟“ یمنی نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

”یہ وقت ہے کوئی معلومات میں اضافے کا۔ تم نے کبھی غور سے آئینہ نہیں دیکھا، تم تو خود کفیل ہو تمہارے اپنے چہرے پر برس رہے ہوتے ہیں بلکہ موسلا دھار برس رہے ہوتے ہیں۔“ اخضر نے دل جلی انٹری دی۔

”اور کوئی ضرورت نہیں میری بہن کو یوں تماشا بنانے کی۔ جب کھانا لگے گا تو سب کے درمیان آکے بیٹھ جائے گی۔“ اس نے فیصلہ سنا دیا اور وہ اس کے ”موسلا دھار برسنے“ والی بات پر غور کر رہی تھی کہ یہ کمنٹس تعریف کے زمرے میں آتے ہیں یا تنقید کے (کیونکہ وہ واقعی ٹھیکرے کے مفہوم سے ناواقف تھی)۔ منال کے ساتھ ساتھ وہ بھی پرسکون ہو گئی۔

”کتنا خیال رہتا ہے اخضر کو خود سے وابستہ تمام لوگوں کا۔“ اس نے سرشار ہوتے سوچا۔

”یڈی یعنی ایڈی، یعنی کہ اویب دیکھنے میں خاصا خوب رو جو ان تھا، لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ پہلی بار سب سے مل رہا ہے۔ ڈائنگ ٹیبل پر بڑی بے تکلفی سے ہر چیز سے انصاف کرتا وہ لڑکا، یعنی کو پہلی نظر میں ہی بے حد ساہ مزاج اور دوستانہ مزاج کا لگا۔ جب تیسری بار آلی کی آواز آئی۔

”بچو! آجاؤ کھانا لگ گیا ہے۔“ تو برآمدے کی گرل سے جھانک کے دیکھتی یمنی نے منال کو آگے دھکا دیا۔

”اب جا بھی“ ”بچی“ کب سے آوازیں آرہی ہیں۔“

”کیا کروں جا کر۔“ وہ بے دلی سے بولی۔ ایک نظر کے بعد اس نے دو سرے نظر نہ ڈالنا گوارا کی تھی اویب

”اچھا پھر تم بھی میرے ساتھ چلو۔“

”نہ بابا نہ۔۔۔“ اس نے فوراً انکار کیا۔ ”ماما نے سختی سے منع کیا ہے، وہ کہہ رہی تھیں آج میں تباہ کن حد تک حسین لگ رہی ہوں۔ منال تو میرے آگے نمٹتا دیا لگے گی۔ اگر میں تمہارے ساتھ چلی گئی تو ہو سکتا ہے بلکہ ہو کیا سکتا ہے۔ یقیناً ایڈی ٹیڈی تمہارے بجائے مجھے پسند کر لے گا۔ میرے آگے کسی کی دال چنے، گوشت، سبزی کچھ بھی نہیں گل سکتا۔ میرے حسن کی جگمگاہٹ کے آگے سب دھندلا دھندلا نظر آئے گا۔“ اس نے اترا کے کہا۔

”پہلی بات تو یہ کہ آنی ایسی بات کہہ ہی نہیں سکتیں اور اگر ایسا ہے بھی۔ تو پھر تو میں ضرور تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔“ وہ اسے گھسیٹتی چلی گئی لیکن یہ الگ بات کہ ڈائننگ روم تک آتے آتے اب یمنی منال کو گھسیٹ رہی تھی۔ ایڈی بڑی لگن کے ساتھ مچھلی میں سے کانٹے چن رہا تھا۔ آپی کے تعارف کرانے پر اس نے سر اٹھایا۔ یمنی نے محسوس کیا کہ وہ منال سے برہے کے نہیں تو اس کے برابر تو ضرور نروس ہوا ہو گا۔ ساری خود اعتمادی دھری کی دھری رہ گئی۔ ایک ہی نظر ڈالنے کے بعد اس نے فوراً ”سر جھکا لیا اور دوبارہ سے دل جمعی کے ساتھ مچھلی کھانے لگا۔“

”کیا بات ہے، تمہیں کیوں چپ لگ گئی۔ کچھ پوچھو گے نہیں۔“ آپی نے چھیڑا۔

”جی۔۔۔ مای جی۔۔۔“ وہ نجالت سے اور پلیٹ پر جھک گیا۔ ”ییسے یہ مچھلی کس نے تلی ہے۔ بہت مزے کی ہے۔“ کم بخت نے سوال بھی کیا تو ییسے۔

”بشیر دادالما ہی واپس لے نے۔“ اخضر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”منال کا تعارف نہیں ہوا۔“ اس نے کہا۔

دوست اور منال! یمنی۔۔۔ یہ ایڈی کے چچا ہیں، بلنا بخت۔“ یمنی نے سر ہلایا۔ منال نے بھی سلام کرنے ہوئے بل بھر کو نظر اٹھائی اور پھر جھکانے میں جیسے اسے صدیاں لگ گئیں۔

گرے سوٹ، وائٹ شرٹ میں ملبوس، ملبے سے بنائے آرمی کٹ کے نیچے ان کی کھلی پیشانی ان کی ذہانت کا اشارہ دے رہی تھی۔ نازک فریم کے پیچھے سے جھانکتی نرم اور روشن آنکھیں اسی پر مرکوز تھیں اور گھنی موچھوں تلے ہلکا سا مہربان بسم سمیٹے وہ سنجیدہ لب۔۔۔ سانولے مضبوط ہاتھ پیر۔۔۔ چوڑے شانے اور چہرے سے نکلتا ہوا قبضہ۔۔۔

”یہ تو وہی ہے۔“ منال کے دل نے سرگوشی کی وہ گھبرا کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”کیا پڑھتی ہیں آپ؟“ بلند بخت نے پھر سوال کیا۔ ”جی لی اے فائنل ایئر میں ہوں۔“ اس نے مختصراً بتایا۔

”ہم دونوں کے سبیکٹس ایک ہی ہیں، کتنا مگر اور یو لیٹیکل سائنس۔“

یمنی کو اس کے ادھورے جواب سے تسلی نہیں ہوئی۔ بلند بخت نے نتیجے کی طرف دیکھا کہ شاید وہ کچھ اور پوچھنا چاہے مگر شاید اسے زندگی میں پہلی بار مچھلی نصیب ہوئی تھی یا پھر شاید آخری بار۔۔۔ اسے مسلسل

کھانا دیکھ کے یمنی کو احساس ہوا کہ وہ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہے اور غالباً یہاں بیٹھ کے کھانا تناول کیا جاتا ہے۔ اس کی بھوک چمک گئی (جو کہ ویسے بھی ہمہ وقت چمکتی رہتی تھی بھوک نہ ہوئی سوواٹ کا بلب ہو گیا) اور اس ڈنر میں تو اس کی اپنی محنت بھی شامل تھی۔ اس نے بلا تکلف پلاؤ، کباب اور کوفتے پلیٹ میں منتقل کیے اور خالی پلیٹ میں چچہ پھیرتی منال کو ٹھوکا دیا، وہ ناگواری سے اسے گھور کے رہ گئی۔

”آپ بھی کچھ ڈالیں نا۔۔۔ دیکھ لیں میزبان آپ ہیں اور حق میزبانی ہم ادا کر رہے ہیں۔“ بلند بخت نے اسے شرمندہ کر ڈالا۔ اس نے چپ چاپ پلیٹ میں ڈال لیا۔

بعد میں یمنی نے جی بھر کے اسے صلواتیں سنائیں۔

”منہ میں گھٹا خنیاں ڈالے بیٹھی تھیں اور اسے تو دیکھو، ذرا اس ٹیڈی کو۔ ایسے لگ رہا تھا ”ویاہ“ کا کھانا کھانے آیا ہو۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی ڈیرھ کلو مچھلی اس اکیلے نے ڈکار لی۔ تین روغنی نان، دو پلیٹ پلاؤ، پانچ کباب، چچہ کوفتے، ایک فل پلیٹ چکن کڑاہی، ایک پلیٹ منن فورمہ اور بعد میں تین بار فیٹی ڈالی تھی اس نے۔ ایک لیٹر کی پیسی اکیلا ہی چڑھا گیا۔“

”تم کیا اس کے قتمے گننے بیٹھی تھیں؟“ آپی کو اپنی لاڈلی نند کے چہیتے سپوت پر اس کا بے لاگ بصرہ پسند نہ آیا۔

”ویسے آپس کی بات ہے، آپ نے اس عیث مشاہدے کے لیے فرصت کیسے نکال لی؟“ نوال نے حیرت سے سوال کیا۔

”کیسی فرصت؟“

”بھئی، آپ تو خود بری طرح غرق تھیں پلاؤ کی ڈش میں ڈوبی ہوئی تھیں قورے کے ڈونگے میں اور فیٹی تو آپ کی ناک تک بھری ہوئی تھی۔ بے چارے ایڈی نے کیا کھایا، کتنا کھایا، اس کی خبر کیسے رکھی؟“

”بیٹی کے ساتھ رہ رہ کے تم بھی بد لحاظ ہو گئی ہو۔ چلو وہ کم از کم آپی یا آپ کہنے کی منافقت تو نہیں کرتا۔ تم تو ”آپ، جناب“ میں پلیٹ پلیٹ کے جوتے مار رہی ہو۔“ اس نے ڈانٹ کر نوال کو بہہ گایا اور منال کے کان میں گھس گئی۔

”تمہیں کیسا لگاؤ؟“

”اب اتنا بھی کا کا نہیں، تم نے کیا اسے انگوٹھا اس نے ناک چڑھائی۔“ ”یہ نہیں آپی کی نند کو سوچھی کیا اس کی شادی کی۔ اس کی تو رسم آئین ہو یا پھر عقیتق۔۔۔ وسمہ کی تقریب میں وہ کیا خاک اچھا لگے گا۔“

چوستے دیکھ لیا ہے؟“

”کیا پتا چھپ چھپ کے چوستا ہو۔“

”بچلو تم چھٹرو اور نا۔“

”میں کیا اس کا انگوٹھا چھٹروانے کے لیے اس سے شادی کر لوں۔“ وہ تنک کے بولی۔

”بات کیا ہے؟ اتنی بھڑک کیوں رہی ہو؟“ اس رشتے میں دلچسپی تو اس نے پہلے بھی نہیں لی تھی، لیکن اس کے نیم دلانہ انداز میں ایک بے بس سی رضامندی بھی تھی۔ یہ جارحانہ تیور اور تنک تنک کے بولنا، اس کے مزاج کا حصہ نہ تھا۔ یہ یمنی جانتی تھی اس لیے مشکوک سی ہو گئی اور اس سے اگلاو کے ہی دم لیا۔

”وہ۔۔۔ پتا ہے یمنی۔۔۔ وہ جو بلند بخت تھے نا۔“ اس نے نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا مگر یمنی کی مداخلت نے مہنجلا کے رکھ دیا جو بڑے اشتیاق سے ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ نکا کے بولی۔

”کون؟ وہ چاچا جی۔۔۔؟“

”تمہارے چاچا جی کب سے ہو گئے وہ؟“ اس نے چڑ کر کہا۔

”تمہارے تو ہونے والے ہیں نا۔“

”خواجواہ میں۔۔۔“ اس نے ہاتھ نچایا۔ ”اتنا ڈہشنگ، ایسا ہینڈ سم بندہ میرا کیوں چاچا، ماما ہونے لگا۔ خود ہی جوڑو ایسے بد مزہ رشتے۔“

”ڈہشنگ اور ہینڈ سم تو واقعی وہ ہے لیکن اس سے مزید اور رشتہ جوڑنے کی بھی کوئی تک نہیں بنتی، اے۔۔۔“ وہ چونکی۔ ”کہیں تم ٹیڈی کے بجائے اس چاچا جی پر تو نہیں لٹو ہو گئیں؟“

”میں کیوں لٹو ہونے لگی۔۔۔ لیکن۔۔۔ تم ایمان داری سے بتاؤ۔ ٹیڈی کے مقابلے میں وسمہ۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ آخر وہ بھی تو ان میرڈ ہے۔ آپی کی نند کو اپنے گود کے ننھے کی بڑی فکر ہے، دیور کو بے مہار چھوڑا ہوا ہے۔ ان کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں۔“

”تمہیں کیا پتا ان میرڈ ہے؟“

”امی کہہ نہیں رہی تھیں ان سے۔۔۔ کہ بیٹا! اب

تم بھی اپنا گھر بنا لو۔ کب تک یوں ہی پھرتے رہو گے۔

”تو تم آگے بڑھ کے کہہ دیتیں ”امی! فکر نہ کریں“ میں بسا لیتی ہوں ان کا گھر۔“ اری بے وقوف! اڑتیں چالیس سال کی عمر تک کون کنوارا رہتا ہے، ہو سکتا ہے ڈائیورسی ہو، بیوہ ہو۔“

”رنڈوا۔“ اس نے تصحیح کی۔
”ویسے۔ ان پر یہ خطاب فٹ بیٹھا ہے، سدا بہار رنڈوا۔“

”بکو اس مت کرو، تم مذاق میں ٹال رہی ہو۔ میں سیریس ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ٹیڈی کے بجائے بلند بخت کا پروپوزل میرے لیے آجائے۔ آخر کبھی تو وہ شادی کریں گے ہی، اگر رنڈوے بھی ہوں یا طلاق یافتہ۔ تو کیا دوسری شادی نہیں کر سکتے؟“

”کر سکتے ہیں، ضرور کر سکتے ہیں۔ چاچا جی دوسری شادی کر سکتے ہیں مگر کسی چھوٹھی جی سے، کسی ماسی جی سے، تمہارے سر پر وہ فقط ایک شفقت بھرا ہاتھ پھیر سکتے ہیں۔ ایسے بے ہودہ خواب دیکھنا چھوڑو۔“

”خبردار جواب تم نے چاچا جی، چاچا جی کی گردان کی۔ چاہے کیا ایسے ہوتے ہیں، میرے سب سے چھوٹے بچا کی عمر بھی باون سال ہے اور ان کے سات بچے ہیں اور تمہارے بچا سی۔ اف تو بس۔ وہ تو تمہارے پاپا کے بھی بھائی جان لگتے ہیں اور تم کس بے دردی سے بلند بخت کو چاچا جی کہتی جا رہی ہو۔“

”اور تم کس بے شرمی سے چاچا جی کو بلند بخت کہتی جا رہی ہو۔ ویدوں کا پانی بالکل ڈھل گیا ہے۔“

”تمہارے ویدوں کا پانی تو جیسے تمہاری آنکھوں میں ٹھٹھاں مار رہا ہے۔“

”ہائے ہائے۔ اس کی خاطر تمہیں اپنی دوست کو بائیں سارا دینی ہو۔“ وہ غصے سے اٹھ کر نکلے ہوئی۔ ”ادھر دو میرا دوپٹہ۔“

”دوست ہو، دوستی کا دعوا کر رہی ہو تو دوستی نہ بھی اور کچھ نہیں تو کم از کم میرے دل کا حال تو سن لو۔ اس کے آنسو پھسل پڑے تو یمنی اس کے قریب گئی اور اس کے شانے پر اپنا بازو پھیلا کر اسے ساتھ لیا۔

”دل کی کچھ باتیں دل کے اندر ہی اچھی لگتی ہیں، منال! کسی سے کہنے سننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کون سن کر کیا کرے گا۔ بعض جذبے ایسے ہوتے ہیں جو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ جذبوں کو بھلے بے اختیار لینے دو مگر خود کو بے لگام مت کرو۔ اگر دل پر بوجھ بہر بڑھ جائے تو پھر کہنے سننے کے لیے ایک ہی ذات رہ جا ہے، اللہ کی ذات۔ اس سے دعا کر کے دیکھو، اگر نصیب میں ہو تو تمہیں وہی ملے گا جس کی تم نے خواہش کی۔“

”ہاں۔“ اس نے گہری سانس بھری۔ ”تم ٹھیک کہتی ہو، یہی بے بسی تو ہماری متاع ہے۔ ہم جیسی لڑکیاں۔۔۔ ہاں ہم جیسی۔۔۔ عام سے مل کلاس گھرانوں کی لڑکیاں۔۔۔ مجبور ماؤں اور تھکے ہوئے باپوں کی بیٹیاں۔۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ خواب دیکھنے کا گستاخی کر بیٹھتی ہیں۔“

ایک معجزہ تو ہو ہی چکا ہے۔ بچپن کی سرحد سے جوانی کی دہلیز پر چڑھتے چڑھتے جس عکس نے چپکے چپکے میری انگلی تھام لی تھی، آج اسے ایک دم۔۔۔ اچانک اپنے رو برو دیکھا ہے، کون جانے وہ قبولیت کی گھڑی پر یہیں کہیں قریب ہی ہو۔“

”یعنی کہ تم دعا میں مانگنا جاری رکھو گی۔ ٹھیک بھی۔۔۔ کیری آن۔۔۔ تم بھی اپنی قسمت آزما لو مگر یہ دھیان رہے زندگی بڑی انمول چیز ہے ڈیر! اس پر ان سب کا حق ہے جو تم سے پیار کرتے ہیں۔ کسی کے حق سے غافل مت ہونا۔ تم سمجھ رہی ہونا؟“

”ہاں، بہت اچھی طرح۔ بے فکر ہو، میں صرف دعائیں ہی مانگوں گی، اچھی بچیوں کی طرح لیکن یمنی سچ بچتاؤ! اگر تم میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔“

”میں۔۔۔“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”اب یہ مت کہنا، میں نے کبھی خواب نہیں دیکھے، میرا کوئی آئیڈیل نہیں۔“

”ہاں۔۔۔ ہائے تمہیں کیسے پتا چلا؟“

”بکو مت، میرے سوال کا جواب دو۔ اچھا چلو فرض کرو، اگر تم نے کوئی آئیڈیل تراش رکھا ہو، وہ اچانک تمہارے سامنے آجائے اور تمہارا دل، ہمک، ہمک کر اس کے ساتھ کی تمنا کرنے لگے تو تم کیا کرو گی؟“

”میں بھی دعائیں مانگوں گی۔“ اس نے شبنم اسٹائل میں ہچکیاں لے لے کر اسے بظاہر ٹالا۔

”مجھے پتا تھا تم یہیں ہو گی؟“

وہ بڑے مزے سے کینٹین کی پچھلی طرف نیم کے بڑے سے اور پرانے درخت کے نیچے رکھے سبکی بچ پر بیٹھی چٹنی میں سمو سے ڈبو ڈبو کے کھا رہی تھی، جب اچانک ستارہ راٹھور نے اس کے سامنے اپنا بیگ پھینکتے ہوئے کہا۔ منہ میں بھرا سمو نہ ٹگنا اسے مشکل ہو گیا۔ ستارہ اسے اول روز سے ناقابل برداشت لگی تھی مگر پھر بھی مریم کی وجہ سے وہ اسے جھیل رہی تھی۔ اتنے دنوں میں شاید ہی اس نے کبھی خود سے اس پھلجھری کو مخاطب کیا ہو جو زبردستی ان کے سیدھے سادے تین رکنی گروپ میں گھسی چلی آئی تھی اور آج جب منال اور مریم دونوں ہی کالج سے غیر حاضر تھیں، اسے یہ سوچ سوچ کر ہی وحشت ہونے لگی کہ اسے پورا وقت اسی پھلجھری کے ساتھ گزارنا پڑے گا۔ جیسے تیسے اس نے اردو کی کلاس اس کے ساتھ انینڈ کی پھر اپنے پیریز لینے کے بعد فری ٹائم میں یہاں آ کے بیٹھ گئی تھی، اسے پتا تھا کالج کی یہ پرہجوم کینٹین اور اس میں ملنے والے دس پندرہ روپے والے آٹھ ستارہ راٹھور کے حلق سے نہیں اترتے، اس لیے وہ کم ہی یہاں کا رخ کرتی ہے لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسے ڈسٹونڈی ڈسٹونڈی اس گوشہ عافیت تک چلی آئے گی۔

”مائی گاڈ یمنی! تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ یہ سمو سے

”اب یہ مت کہنا، میں نے کبھی خواب نہیں دیکھے، میرا کوئی آئیڈیل نہیں۔“

”ہاں۔۔۔ ہائے تمہیں کیسے پتا چلا؟“

”بکو مت، میرے سوال کا جواب دو۔ اچھا چلو فرض کرو، اگر تم نے کوئی آئیڈیل تراش رکھا ہو، وہ اچانک تمہارے سامنے آجائے اور تمہارا دل، ہمک، ہمک کر اس کے ساتھ کی تمنا کرنے لگے تو تم کیا کرو گی؟“

”میں بھی دعائیں مانگوں گی۔“ اس نے شبنم اسٹائل میں ہچکیاں لے لے کر اسے بظاہر ٹالا۔

”مجھے پتا تھا تم یہیں ہو گی؟“

وہ بڑے مزے سے کینٹین کی پچھلی طرف نیم کے بڑے سے اور پرانے درخت کے نیچے رکھے سبکی بچ پر بیٹھی چٹنی میں سمو سے ڈبو ڈبو کے کھا رہی تھی، جب اچانک ستارہ راٹھور نے اس کے سامنے اپنا بیگ پھینکتے ہوئے کہا۔ منہ میں بھرا سمو نہ ٹگنا اسے مشکل ہو گیا۔ ستارہ اسے اول روز سے ناقابل برداشت لگی تھی مگر پھر بھی مریم کی وجہ سے وہ اسے جھیل رہی تھی۔ اتنے دنوں میں شاید ہی اس نے کبھی خود سے اس پھلجھری کو مخاطب کیا ہو جو زبردستی ان کے سیدھے سادے تین رکنی گروپ میں گھسی چلی آئی تھی اور آج جب منال اور مریم دونوں ہی کالج سے غیر حاضر تھیں، اسے یہ سوچ سوچ کر ہی وحشت ہونے لگی کہ اسے پورا وقت اسی پھلجھری کے ساتھ گزارنا پڑے گا۔ جیسے تیسے اس نے اردو کی کلاس اس کے ساتھ انینڈ کی پھر اپنے پیریز لینے کے بعد فری ٹائم میں یہاں آ کے بیٹھ گئی تھی، اسے پتا تھا کالج کی یہ پرہجوم کینٹین اور اس میں ملنے والے دس پندرہ روپے والے آٹھ ستارہ راٹھور کے حلق سے نہیں اترتے، اس لیے وہ کم ہی یہاں کا رخ کرتی ہے لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسے ڈسٹونڈی ڈسٹونڈی اس گوشہ عافیت تک چلی آئے گی۔

”مائی گاڈ یمنی! تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ یہ سمو سے

مت کھایا کرو۔“ اس کے ناک بھوں چڑھانے پر یمنی نے اور زور و شور سے چٹکارے لینا شروع کر دیے۔

”تمہیں تو پتا ہو گا منال نے آج چھٹی کیوں کی؟“

”مجھے پتا ہوتا کہ وہ آج نہیں آئے گی۔ تو میں یہاں جھک مارنے کیوں آئی۔“ خشک لہجے میں اس نے جواب دیا۔

”اور مریم۔۔۔ اس کے گیسٹ تو شاید پرسوں جانے والے تھے لگتا ہے نہیں گئے، تبھی آج نہیں آئی۔“ وہ خود ہی اندازے لگاتی رہی پھر اس کی خاموشی بھانپ کر بیگ سے پیٹو برش اور مرر نکال لیا۔ انگلی کے ساتھ چٹنی چاٹتی ہوئی یمنی کن اکھیوں سے اس کا جائزہ لیتی رہی۔ امپورٹڈ شیپو سے دھلے اس کے پھولے پھولے شوڈر کٹ بال لیزرز میں لہرا رہے تھے، وہ مختلف کلر ڈالی کرواتی رہتی تھی۔

”بیز تو واقعی زبردست ہے۔“ یمنی نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ اس کی مکمل تیاری اور میک اپ کالج کی سب ہی لڑکیوں میں موضوع گفتگو رہتا۔

”اب بس بھی کرو یمنی! کیا انگلی چبا لو گی؟“ ستارہ کو اسے مسلسل انگلی چاٹتے دیکھ کے کوفت ہو رہی تھی۔ اس نے مزید چڑانے کے لیے لمبی سی زبان باہر نکالی اور چٹنی، والی پالی منہ سے لگا کر چاٹنے لگی۔

”اونو۔“ ستارہ نے اباکالی روکی اور منہ پرے رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”فار گاڈ سیک یمنی! کیا کر رہی ہو اس قدر گندی پلاسٹک کی پلیٹ۔“

”اوس۔۔۔ اوس۔۔۔“ اچانک یمنی کو زور کی اباکالی آئی۔ گھبرا کے اس نے پیالی پرے پھینک دی اور پیٹ پکڑ کے دوہری ہو گئی۔ معدے میں اچانک ہی درد شروع ہو گیا تھا، اس کے کراہنے کی ہلکی ہلکی آواز پر ستارہ پلٹی۔

”کیا ہوا۔۔۔ اوہ نو۔۔۔ تمہیں تو وہ منٹنگ ہو رہی ہے اور کھاؤ ہفتوں پرانے گندے سمو سے۔“ اس نے پہلے ڈانٹنا ضروری سمجھا پھر اپنے بیگ سے پرفیوڈ ٹشو کا پیکٹ نکال کر اس کے ہاتھ اور منہ کو صاف کرنے لگی۔ درد کی شدت سے دوہری ہوئی یمنی مارے حیرت

”کیا ہوا۔۔۔ اوہ نو۔۔۔ تمہیں تو وہ منٹنگ ہو رہی ہے اور کھاؤ ہفتوں پرانے گندے سمو سے۔“ اس نے پہلے ڈانٹنا ضروری سمجھا پھر اپنے بیگ سے پرفیوڈ ٹشو کا پیکٹ نکال کر اس کے ہاتھ اور منہ کو صاف کرنے لگی۔ درد کی شدت سے دوہری ہوئی یمنی مارے حیرت

”کیا ہوا۔۔۔ اوہ نو۔۔۔ تمہیں تو وہ منٹنگ ہو رہی ہے اور کھاؤ ہفتوں پرانے گندے سمو سے۔“ اس نے پہلے ڈانٹنا ضروری سمجھا پھر اپنے بیگ سے پرفیوڈ ٹشو کا پیکٹ نکال کر اس کے ہاتھ اور منہ کو صاف کرنے لگی۔ درد کی شدت سے دوہری ہوئی یمنی مارے حیرت

”کیا ہوا۔۔۔ اوہ نو۔۔۔ تمہیں تو وہ منٹنگ ہو رہی ہے اور کھاؤ ہفتوں پرانے گندے سمو سے۔“ اس نے پہلے ڈانٹنا ضروری سمجھا پھر اپنے بیگ سے پرفیوڈ ٹشو کا پیکٹ نکال کر اس کے ہاتھ اور منہ کو صاف کرنے لگی۔ درد کی شدت سے دوہری ہوئی یمنی مارے حیرت

”کیا ہوا۔۔۔ اوہ نو۔۔۔ تمہیں تو وہ منٹنگ ہو رہی ہے اور کھاؤ ہفتوں پرانے گندے سمو سے۔“ اس نے پہلے ڈانٹنا ضروری سمجھا پھر اپنے بیگ سے پرفیوڈ ٹشو کا پیکٹ نکال کر اس کے ہاتھ اور منہ کو صاف کرنے لگی۔ درد کی شدت سے دوہری ہوئی یمنی مارے حیرت

کے کراہنا بھول گئی۔ ہر وقت ناک چڑھا کے رکھنے والی گندگی سے الرجک، نخرے والی پھلجھری بغیر کسی کراہیت آمیز تاثر کے نشو سے اس کے ہاتھ اور منہ صاف کر رہی تھی پھر اسے سہارے سے واپس روم لے گئی۔

”لو، تم کلی کرو اور اچھی طرح ہاتھ دھولو، انگلش کا پیڑ شروع ہونے والا ہے۔ میں ذرا ٹیچر کو کہہ آؤں کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تم یہیں رکننا۔“

اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ بغیر سہارے کے چل کر سک روم تک جاتی۔ ایک کے بعد ایک تے نے اس کی آنتیں تک حلق میں پہنچا دی تھیں، ٹانگیں کانپ رہی تھیں، ستارہ ہی اسے سہارا دے کر لے گئی۔ وہاں لٹانے کے بعد وہ اس کے لیے سیون اپ کے ساتھ ٹیلیٹ لے کر آئی۔ چھٹی کے بعد اسے دین تک میں نہیں جانے دیا اور اپنی گاڑی میں گھر تک چھوڑنے آئی۔

یمنی خواجہ اندر ہی اندر شرمندہ ہوتی رہی۔ اس نے ستارہ راٹھور کے بارے میں کتنا کچھ غلط سوچ رکھا تھا جبکہ وہ اپنے ظاہر سے یکسر مختلف ایک صاف اور ہمدرد دل کی بالک تھی۔

”اس کا نخرہ اس کا اسٹائل اس کی اٹھی ہوئی کلف زدہ گردن اور بناوٹی لہجہ اس کے ماحول کی پیداوار ہے، اس کی کلاس کا تقاضا ہے اور اس پاس کا ماحول عادتوں پر تو اثر انداز ہو سکتا ہے، فطرت پر نہیں۔“ اس نے سوچا۔



”نصیب دشمنان سنا سے آپ بیمار شمار ہیں؟“

شام کو منال کا نزول ہو گیا۔ یمنی نے ”گردن و نواح“ میں اس کی طبیعت کی مزاحیہ بحث کی۔ شکر کہ وہی تھی اور اس تک یہ تفصیل ستارہ کے باوثوق ذہنیے سے پہنچی تھی۔

”دین کو بیمار شمار ہوں۔ تم کیا مرضی تھی؟“

کالج نہیں آئیں۔ وہ اس پر برس پڑی۔

URDU PHOTO

”اچھا تو میری جدائی کے غم میں تم چٹنی کے ساغر میں غرق ہوئی تھیں۔“

”ان شوکت انکل کو میں چھوڑوں گی نہیں، نجانے کتنے ہفتوں پرانی چٹنی مجھے کھلا دی۔“ اس نے کینٹین والے کی غائبانہ مرمت کی۔

”نہیں، ہفتوں پرانی نہیں ہوگی، کل برسوں کی ہوگی۔ میں نے خود نئی بار دیکھا ہے، چھٹی کے بعد وہ گر اوٹڈ میں ادھر ادھر بکھری پالیوں میں سے پچی کچی چٹنیاں دوبارہ بوتلوں میں بھرتے ہیں۔“

”ہا۔۔۔ ہائے۔۔۔ نہ۔۔۔ پکیز۔۔۔ مت بناؤ مجھے۔“

اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ”مجھے اور اب کائی آرہی ہے اور اب تو بیٹ میں کچھ ہے بھی نہیں نکلنے کو۔“

”میں تو اتنا بڑا ڈبہ بالوشاہی کالائی تھی مگر آئی نے باہر ہی کہیں غائب کر دیا کہ کہیں تم اس حالت میں بھی بالوشاہیوں پر ٹوٹ نہ پڑو۔“

”تم کیا میرے بیمار پڑنے کی خوشی میں مٹھائیاں بانٹتی پھر رہی ہو۔“

”اول۔۔۔ ہوں۔۔۔ بوجھو۔“ اس نے مسہینس پھیلا لیا۔

”واؤ۔۔۔ وہ جوش سے اٹھ کے بیٹھ گئی۔“ ٹیڈی کے ساتھ تمہاری منگنی ہوگئی؟“ جو اب منال نے برا سا منہ بنایا۔

”خدا انخواستہ ایسا ہوا ہوتا تو میں بالوشاہیوں کے بجائے نیم کی نمبولیاں بانٹتی پھرتی۔“

”تو پھر کیا چاچا جی نے میدان مار لیا؟“ وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کے رہ گئی۔

”کیوں میری دکھتی رگ پر ہاتھ دھرتی ہو۔“ اس نے حسرت آمیز آہ بھری۔

”یہ بالوشاہیاں اخضر بھائی کی جاب کی خوشی میں ہیں۔“

”کیا؟۔۔۔ کچھ۔۔۔؟“ اس کے چہرے پر مسرت کے رنگ اتنے واضح تھے کہ منال چونک اٹھی لیکن اپنی دھن میں سرشار یمنی نے غور نہ کیا۔

”ہائے۔۔۔ اس کا مطلب ہے ماما ٹھیک کہہ رہی

تھیں، میں ایسے ہی فضول سمجھ کر سر جھٹکتی رہی کہ مجھے تکلیف بیماری وغیرہ محسوس نہ ہو اس لیے ماما مجھے بہلانے کے لیے کہہ رہی ہیں کہ بیماری میں اللہ دل کے بہت قریب ہوتا ہے اور دعا میں بہت جلد قبول ہو جاتی ہیں۔“

”تو کیا تم نے دعا کی تھی اخضر بھائی کی جاب کے لیے؟“

”ہاں تو اور کیا۔“ وہ جوش سے بولی پھر اس کا تفتیشی انداز خائف کر گیا تو جلدی سے بات بنا ڈالی۔

”کوئی ایک دعا۔ دعا میں پاگل، دعا میں۔۔۔ اتنی ڈھیروں دعا میں۔ دوپہر سے اس بیڈ پر اکیلی پڑی ہوں، فرصت ہی فرصت تھی، جی بھر کے یہ لمبی سی لسٹ اللہ میاں کو بھیجی۔“

”لیکن اس لسٹ میں اخضر بھائی کا نام کیسے آیا؟“

”ان کا نہ سہی تیرا تو تھا، تم دوست ہو میری کیا میں صرف اپنے لیے دعا میں مانگتی؟ میں نے مریم کے لیے بھی بہت کچھ مانگا اور ظاہر ہے کہ تمہیں اپنے بھائی کی جانب سے اتنی فکر لاحق تھی، اس لیے میں نے بطور خاص یہ دعا مانگی کہ تمہاری یہ پریشانی جلد از جلد دور ہو جائے۔“ اس نے مسکے بازی کی انتہا کر دی۔

”لیکن پریشانی میری دور ہوئی ہے، خوش تم ہو رہی ہو؟“ اس کی تسلی نہ ہوئی۔

”بدھو ہو تم، اتنا بھی نہیں سمجھتیں۔ اس دعا کی اتنی جلد قبولیت سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ لسٹ میں موجود باقی دعائیں بھی منظور ہوگئی ہیں۔“ وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ اس نے خوشی سے سر ہلایا۔ ”پھر تو تم نے وہ دعا بھی کی ہوگی۔“

”کون سی؟ تمہارے چاچی بننے والی دعا۔“

”دفع۔۔۔ چاچی کیوں؟ دیکھ خبردار جواب تم نے یہ نام مقول لفظ دوہرایا۔“

”تم مانویا نہ مانوئی وی پر ۲۳ مارچ کو ایک خصوصی پروگرام نشر ہوا تھا قرارداد پاکستان کے بارے میں۔ جہاں اب مینار پاکستان ہے، وہاں پہلے منٹوپارک ہوا

کرتا تھا۔“ اس کی بے وقت کی راہنی پر منال مشکوک نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

”چھٹی جماعت سے لے کر بی اے کے نصاب تک پاک اسٹڈیز کی ہر کتاب میں یہ لکھا ہے، یہ کون سی نئی خبر ہے۔“

”پوری بات تو سن لو، وی پر انہوں نے منٹوپارک میں ہونے والے تاریخی جلسے کی بلیک اینڈ وائٹ جھلکیاں دکھائیں۔ قائد اعظم علامہ اقبال۔۔۔ سب کی ولولہ انگیز تقاریر اور ہزاروں کے مجمع کی پر جوش تالیاں اور نعرے بازی۔ بلیوی، میں نے ان گناہ گار آنکھوں سے چاچا جی یعنی تمہارے بلند بخت کو اس جلسے میں بازو اوپے کر کر کے نعرے لگاتے دیکھا ہے، اس قدر تاریخی چاچا ہے۔“

”جو اس مت کرو۔“ اس نے قریب پڑا تکیہ اس پر دے مارا۔

”بالکل سچ کہہ رہی ہوں، اس سے قدرے نیا تو ”چاچا کرکٹ“ ہے۔“ اب کے منال نے تکیہ اس کے منہ پر رکھ کے دبانے کی کوشش کی۔

”کاش فوڈ پوائزن کے بجائے تو سچ سچ کے پوائزن کا شکار ہوتی۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ کنول خواجہ کی آواز پر منال نے ایک ہاتھ سے یمنی کے بال سنوارتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے تکیہ درست کرنا شروع کر دیا۔

”کچھ نہیں آئی، یمنی کو تکیے کی ٹیک لگا کے بیٹھا رہی تھی۔“

”مسز آغا سے کہنا میں کل ان شاء اللہ ان کے گھر آؤں گی، مبارکباد دینے، بہت شرمندگی ہو رہی ہے مجھے۔۔۔ کہ اتنے قریبی تعلقات کے باوجود میں ہر معاملے میں تاخیر کر دیتی ہوں۔ ابھی تو تمہاری مبارکباد بھی دینا باقی ہے۔“

”بھئی کہاں ماما! ابھی بات کی کب ہوئی ہے؟“

”اچھا؟ میں تو سمجھ رہی تھی۔۔۔“ انہوں نے تعجب کا اظہار کیا۔ منال خاموشی سے سر جھکائے بیڈ شیٹ پر انگلیاں پھیرتی رہی۔

”ابھی تو وہ ٹیڈی ان محترمہ کے معیار پر پورا ہی نہیں اتر رہا۔“ اس کے کہنے پر منال نے ایک دم سر اٹھا کے اسے آنکھیں دکھائیں۔

”کیوں بھی؟ ایسی کیا بات ہے؟“

”پتا نہیں ماما! حالانکہ اچھا بھلا کا کا ہے۔ بالی عمر پچھلی کر چیا سے بو جھل آنکھیں۔“

”یہ تم لڑکے کا نقشہ کھینچ رہی ہو یا ثریا بھوپالی کا۔“

بچی نے باہر سے آواز لگائی۔

”کیوں منال! کیا بات ہے۔“ انہوں نے دوستانہ انداز میں پوچھا تو وہ گڑبڑا اٹھی۔ اب انہیں کیا وجہ بتانی۔

”مسٹر ٹیڈی محترمہ کے آئیڈیل سے یکسر مختلف ہیں۔“ اس کے انکشاف پر وہ اور گھبرا اٹھی۔ یعنی اپنی ماما سے خاصی بے تکلف تھی لیکن اس کے گھر کا ماحول اتنی بے تکلفی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا، نہ ہی وہ اس ٹاپک پر ان سے گفتگو کرنے کا حوصلہ رکھتی تھی۔

”منال! تم تو خاصی سمجھ دار ہو، پھر یہ آئیڈیل کے چکر میں کیسے پڑ گئیں۔“ انہوں نے حیرت سے پوچھا، بے چاری اور شرمندہ ہو گئی۔

”نہیں۔ آئی۔ یہ اے ہی بس۔“ وہ اسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگی۔ دل چاہ رہا تھا اس کی شیطانی مسکراہٹ والے ہونٹوں کو لاسٹک کی طرح کھینچ کے پھر سے چھوڑ دے۔ ٹھاہ کر کے۔

”نہیں! آئیڈیل کوئی چیز نہیں ہوتا، نہ ہی کوئی شخص اتنا مکمل ہوتا ہے کہ ہر زاویے سے ہر کسوٹی پر پورا اتر سکے۔ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمی ہوتی ہے، اسی طرح سب میں ہی کوئی نہ کوئی اچھالی ہوتی ہے۔ لڑکیاں کچی عمروں میں جو خواب آنکھوں میں سجاتی ہیں۔“

وہ پھر بے تکلفی سے خواہشوں کے تقاضے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ مان لینا کہ آئیڈیل کے بغیر زندگی گزارنا شہوار ہوگا، صرف ایک گمان ہے۔ جب عمروں کے بندھن قائم ہوتے ہیں تو شب و روز کو سہارا دے دے۔

ساری اچھائیاں، برائیاں ابھر آتی ہیں۔ فرض کرو تمہاری شادی تمہارے آئیڈیل سے ہو جاتی ہے لیکن بعد میں اس کی کچھ ایسی عادات سامنے آتی ہیں جو تمہارے لیے دھچکے کا باعث بنیں تو پھر۔؟ اسی طرح اگر تم ادیب کو صرف اس بنا پر مسترد کر رہی ہو کہ وہ تمہارے تصور آتی خاکے سے مشابہت نہیں رکھتا تو بیٹا! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایسے بہت سے گن سمیٹے ہو جو تمہارے پسندیدہ ہوں۔“ انہوں نے شفقت سے سمجھانا چاہا اور وہ میکانکی انداز میں سر ہلاتی گئی۔ پتا نہیں وہ سمجھی یا نہیں لیکن یمنی کسی گہری سوچ میں گم ہو گئی۔



”کتنا انتقامی ذہن ہے تمہارا، ایک دن کالج میں اکیلے کیا گزارنا پڑ گیا؟ جو ابی کارروائی کے طور پر اکٹھی تین چھتیاں مار لیں۔“ مریم نے اس کا استقبال زبردست سے طعن سے کیا۔

”میں اکیلی کب تھی، ستارہ آئی تھی اس روز۔“ اس نے پھولے منہ کے ساتھ جواب دیا۔ ”تم دونوں نے مشترکہ سازش کے ذریعے مجھے بور کرنے کی کوشش تو بہت کی مگر ایسا ہوا نہیں، بلکہ اس دن تو ایسا رونق میلہ لگا کہ مزا آگیا۔“

”پتا ہے جو مزا آیا، پہلے سے قابل رحم حد تک گندے کالج میں تو نے جو گل پاشیاں کیں، وہ ساری میرے علم میں ہیں۔ ویسے سچ سچ بتانا کتنے درجن سمو سے ٹھونے؟“

”پہلے تو بتا، گھر بیٹھ بیٹھ کے کیا ٹھونس رہی ہے، جو گال بھیننے والے لگ رہے ہیں؟“ اس نے دلچسپی سے مریم کی کھلی کھلی رنگت کو دیکھا۔

”اپنی منگنی کے لڈو، تو تم بھی کھاؤ۔“ اس نے بیگ میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکالا۔

”کیا؟ تم نے چپ چاپ منگنی کر لی، ہمیں بلایا تک نہیں۔“ وہ چیخی۔ منال کی خاموشی بتا رہی تھی کہ پہلے ہی مریم پر گرج چمک چکی ہے۔

”میں کیا کرتی، وہ کوئی منگنی تھی۔ رات تک تو خالہ کا پروگرام تھا کہ صبح کی ٹرین سے واپس کوٹھ جانا ہے پھر پتہ نہیں کیا ہوا صبح اٹھ کے بازار گئیں، انگوٹھی لائیں۔ میں نے واشنگ مشین لگائی ہوئی تھی، بازو سے پکڑ کے مجھے اٹھایا اور میرے سرف کے جھاگ سے بھرے ہاتھوں میں پہنا دیا، یہ منگنوں والا ”انگوٹھا“ اس نے مناسا ہاتھ آگے کر کے جھازی ساڑھ انگوٹھی دکھائی۔“

”لو، یہ تمہارے حصے کا موتی چور۔“ اس نے لفافے میں ہاتھ ڈال کر عجیب دانے دار چیز سامنے نکال کر رکھی۔

”تم دونوں ہی وکھری ٹاپ ہو۔ اس منال کے کارنامے سے ہیں؟“ اس نے اپنے تئیں انکشاف کرنا چاہا لیکن مریم اس سے چپک ہی گئی۔

”ہاں یا نہ تھی خوشی کی بات ہے کہ منال کو بھی اس کا آئیڈیل مل گیا۔“

”خاک مل گیا، وہ تحریک آزادی کے زمانے کا۔“

”سدا بہار۔ اور طلاق شد۔“

”طلاق شدہ ضرور ہیں مگر ان کی علیحدگی کو بھی بارہ سال گزر چکے ہیں۔ ان کی دو آنف کوئی جرمن تھی جس کے ساتھ شادی بس تین چار مہینے تک ہی برقرار رہی۔“

”تم نے اتنی معلومات کہاں سے حاصل کیں؟“

”انہوں نے خود بتایا تھا۔ کل شام وہ دونوں پھر آئے تھے۔ قسم سے یمنی بلند بخت صرف دیکھنے میں ہی نہیں حقیقت میں بھی میرے آئیڈیل کے قریب تر۔ وہی بولنے کا ٹھہرا ٹھہرا انداز، وہی سلجھی ہوئی گفتگو، سو برڈرینگ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ان کے ساتھ گفتگو کرنے میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔“

”اب اتنا بھی کھلا ماحول نہیں ہمارے گھر کا۔ کتنی شکلوں سے آپی نے ابوجی کو رضامند کیا کہ وہ گھر تک آکر مجھے دیکھ لے۔ اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے دوبارہ بھی اسے انوائیٹ کیا لیکن اب یہ بھی نہیں کہ مجھے بیٹھ تھپک کے کہیں جاؤ بیٹا!

انجوائے یور سیلف۔“

”ملاحظہ فرمائیے ہمارے مشرقی والدین کی سادگی، جن سے پرہ کرایا جا رہا ہے۔ وہ موصوف ان کو تازے کے بجائے پچی سے ورلڈ کپ اور نوال سے آسکر ایوارڈز کو ڈسکس کر رہے تھے اور جن کے حوالے سے یہ بی بی، یہ نیک پروین۔۔۔ کھٹ مٹھے سینے دیکھ رہی ہیں، ان کے ساتھ ”گفتگو فرمانے“ کی کھلی اجازت ہے۔ خیر وہ بھی کیا کریں وہ تو چاچا جی کو تمہارے ہونے والے سسر جی ہی سمجھ کے یہ رعایت دے رہے ہیں۔“

”تمہیں خدا کا واسطہ ہے یمنی، منہ پھاڑ کے ایسے سفاک تبصرے مت کیا کرو۔“ اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔“

کالج میں وہ سارا وقت انہی خیالوں میں الجھی رہی۔ چونکی جب گیٹ سے نکلتے ہوئے اچانک ہی نظر ستارہ کی گاڑی پہ پڑی۔ اس کا ڈرائیور دروازہ کھول رہا تھا اور وہ کالج یونیفارم میں بیگ شانے سے لٹکائے کار میں بیٹھ رہی تھی۔ اس نے منال کا بازو کھینچ کے متوجہ کیا۔

”منال! وہ دیکھو، ستارہ۔۔۔ وہ تو آج کالج میں نظر ہی نہیں آئی۔“

”وہ کالج آتی تو نظر آتی۔۔۔“ نوال نے چبا چبا کے کہا۔ ”پتہ نہیں آپ لوگوں کی عقل یہ پتھر کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ سارا کالج ستارہ راٹھور کے کیریئر کے بارے میں جانتا ہے، بس ایک آپ تینوں ہی۔“ اس نے طنزیہ انداز میں سر جھٹکا، مریم بھی منہ کھولے کھڑی تھی زیادہ دوستی تو اسی کی تھی ستارہ سے اور وہ اس کے گن گاتی نہیں تھکتی تھی۔ دوست کی چھوٹی بہن۔۔۔

سیکنڈ ایئر کی بیچی کے منہ سے اس کے کرتوتوں کے بارے میں جان کر وہ شرمندہ ہو گئی۔

”تمہیں کیسے پتا؟“ منال نے حسب عادت ڈیٹ کے پوچھا۔

”میری آنکھیں ہیں۔“ اس نے دیدے پھاڑ کے بہن کو دکھائے۔

”پہلے نہیں بتا سکتی تھیں۔“

”آپ کب یقین کرتیں؟ بتائیے؟ یہ تو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں تو ماننا پڑ رہا ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری بات کیا۔ سب کے سامنے جھڑک کے رکھ دیتی ہیں۔“

”اف ماما، میری بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں پیپر کی تیاری کروں یا شادی کی۔“ اس نے وہابی دی۔
”ویسے تمہاری فرینڈ کے والدین عجیب ہیں۔ اب جبکہ لی اے کے فاسٹ ایگزیکٹوز ڈیٹ ٹیٹ تک آپکی ہے، انہوں نے مریم کی شادی کی ڈیٹ فلکس کر دی اور وہ بھی اتنی جلدی۔“

کنول خواجہ نے حیرت سے کہا۔ پرسوں ہی مریم کی امی اپنی بہو کے ساتھ انہیں کارڈ دینے آئی تھیں۔
”مجھے تو اس کی منگنی کے چر مرلڈو کھا کر ہی اندازہ ہو رہا تھا، ایسی چٹ منگنی کے بعد پٹ بیاہ تو لازماً ہوتا ہے۔“

”بچی پیپر ز ہی دے لیتی۔ خیر۔ بس تم دھیان رکھنا شادی کے ہنگاموں میں پیپر ز کا بیڑا غرق نہ کر لینا۔ مریم تمہاری کلوز فرینڈ ہے اس لیے میں فنکشنز اینڈ کرنے کی اجازت دے رہی ہوں۔ ورنہ اسٹڈیز کا حرج کبھی نہ کرنے دیتی۔“

وہ مارکیٹ تک جانے کے ارادے سے منزل کو ساتھ لینے اس کے گھر چلی آئی۔ گلی میں کھڑی مزدادیکھ کے اسے اندازہ ہوا کہ آئی ہوئی ہیں۔ کینڈی سے کھیلے، اسے گدگدائے گئی دن ہو گئے تھے اس لیے تقریباً بھاگتی ہوئی اندر آئی اور اپنی دھن میں ہی سامنے کے ستون سے ٹکرائی۔

”ایزی ایزی۔۔۔“ ماما تھپتھپہ ہاتھ رکھے بس آنسو بہائے ہی والی تھی کہ سامنے سے بلند آواز نکلیاں دیتے آئے۔

”دیکھا میں ذرا۔۔۔ کہیں گھر انہیں نہیں آیا۔۔۔“ انہوں نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑنے کی بجائے اپنے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
اور ماتھے کا معاملہ کیا۔

URDU PHOTO

”نہیں، زخم کوئی نہیں ٹھیک ہو جائے گا۔“ انہوں نے اس کے ماتھے کو سہلایا۔ اسے یکدم کرنٹ سا لگا۔ ساتھ ہی احساس ہوا کہ اس کا ایک ہاتھ اب تک بلنہ بخت کی گرفت میں ہے، اس نے کسسا کر اپنا ہاتھ ان کی مضبوط گرفت سے نکالا اور ذرا سا پیچھے ہٹے ہوئے انہیں الجھن بھری نظروں سے دیکھا۔ چشمے کی اوٹ سے جھانکتی وہی روشن آنکھیں اور مہربان سا تبسم، اسے بل بھر کو اپنے فضول سے وہم بہ شرمندگی ہوئی۔ کھیلائی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ انہیں سلام کرنے لگی۔ بلند بخت کی مسکراہٹ اور نرم ہو گئی۔
”دھیان سے چلا کرو۔“ وہ اس کا گال ٹھیک کے آگے بڑھ گئے۔ اور یمنی کے رخسار ایک بار پھر احتجاجاً سلگ اٹھے۔

وہ مہندی کا فنکشن اینڈ کرنے کی غرض سے تیار ہو رہی تھی۔ اورنج اور براؤن کنٹراسٹ کا چمڑی کا گھاگھا رہنے کے بعد اس نے سلور پراندہ باندھنے کی ناکام کوششیں کیں پھر جھنجھلا کر پراندہ ہاتھ میں لیے ماما کی طرف چلی آئی۔

”پتہ نہیں آپ کیا سوچے بیٹھے ہیں۔ پہلے تو خود کہتے تھے کہ اخضر میں کوئی برائی نہیں۔ میرے اعتراض کو بھی آپ نے رد کر دیا کہ اس میں ترقی کی خاصی صلاحیت ہے تو پھر اب جب اسے اچھی خاصی جا ب مل گئی ہے، منال کا رشتہ بھی طے ہو چکا ہے اور آغا صاحب کی فیملی نے پھر سے اپنا دعوا دہرایا ہے تو آپ ٹال مٹول کر رہے ہیں۔“ ماما کی زبانی یہ انکشاف سن کر وہ پھر سے ماتھا پیٹ کر رہ گئی۔

”اف مجھے کیوں سب باتیں وقت پہ پتا نہیں چلتیں۔“

”کنول! میں ٹال مٹول نہیں کر رہا، بیٹی ہتھیلی پہ تو نہیں لیے پھر رہے ہم لوگ کہ ادھر کسی نے سوال کیا، ادھر اسے تمہاری اکلوتی بیٹی اتنی بھاری نہیں۔ وضع داری کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔“

”بارہ سال سے ہم لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور کیا چھان بین کروائیں گے آپ۔ اخضر آنکھوں کے سامنے پل کر بڑا ہوا ہے۔ اور اگر دنیا داری کے لیے تاخیر کر رہے ہیں تب بھی اتنا وقت کافی ہے۔“
”کیا بیٹی کی رضا مندی جاننا بھی ایک اہم مرحلہ نہیں ہے؟“ انہوں نے پلٹ کے سوال کیا۔ ”میں اتنا بڑا فیصلہ اس کی مرضی جانے بغیر کر لوں۔ یہ اس کی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔“

”تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ میں ابھی اس سے بات کر لیتی ہوں۔“ ماما کا ارادہ بھانپ کر وہ نم ہوتی ہتھیایاں زور سے بھینچ کر مڑنے لگی۔
”نہیں، اس کے ایگزامز کے دوران میں اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ اسے یکسوئی سے پڑھنے دو۔“ فنکشن کے دوران وہ منتظر ہی رہی کہ شاید منال کوئی بات کرے۔ اس حوالے سے کوئی ہلکی سی چیخیر چھاٹھی لیکن شاید وہ لاعلم تھی۔ یمنی مایوس ہو گئی لیکن اگلے روز جب وہ توقع ہی نہیں کر رہی تھی، منال نے سب کے درمیان بھانڈا اچھوڑ دیا۔

اسے کل رات ہی سن گئی تھی کہ اس کے والدین یمنی کا ہاتھ اخضر کے لیے مانگ چکے ہیں لیکن چونکہ دوسری جانب سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا اس لیے بات نہیں پھیلانی۔ اور وہ حوصلہ افزا جواب تو منال کو یمنی کے چہرے پہ گلاب کی طرح کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے چیخیر پھینک کر اس کا ناک میں دم کر دیا مگر مجال ہے جو یمنی نے منہ سے ہلکی سی بھی بھاپ نکالی ہو۔ ویسے بھی منال بے چاری اس سے دل کا حال اگوانے کے لیے اکیلی تو ناکالی تھی۔ مریم اس وقت دلہن بنی اسٹیج پہ حمزہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ حمزہ خاصا چمک رہا تھا اور اس کی خوش دلی کو یمنی نے بڑی حیرت سے نوٹ کیا تھا۔

”تو کیا اب سررا باندھ کے بھی بارات کی ایسی کی تیسری کرتا پھرے۔“ منال نے اس کی حیرت کو لاپرواہی سے ٹالا۔

”اور وہ مریم کی خالہ۔۔۔ انہیں دیکھا تم نے، لگتا

ہی نہیں کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی ہے۔ کل مہندی کے فنکشن پہ بھی الگ تھلگ سی رہیں، آج بھی منہ بنا کے ایک جگہ بیٹھی ہیں۔“

”شش۔۔۔ چپ۔۔۔ وہ زیادہ دور نہیں بیٹھیں۔ آہستہ بولو۔“ لیکن خالہ کے دائیں بائیں بیٹھی خواتین کو شاید آہستہ بولنے کی عادت نہیں تھی۔

”جگمہ! دلہن کا قد حمزہ سے کچھ زیادہ کم نہیں۔“
”قد؟ صرف قد؟“ وہ تو پھیٹ ہی پڑیں ”کسی بھی طرح وہ میرے شہزادے کے قابل نہیں۔ ہائے میں تو بھولپن میں مار کھا گئی۔ اپنوں نے بھی فریب دے دیا۔“

”کیوں۔۔۔؟ زمر گس تو کہہ رہی تھی تم نے خود آ کے رشتہ مانگا؟“

”مانگا کب؟ ہاں اس نیت سے حمزہ کو لاہور لے کر آئی تھی کہ ساری برادری یہاں ہے جس کی بچی بھی دل کو بھائی اسے ہی اپنی بہو منتخب کر لوں گی، چاہے وہ زمر گس کی بچی ہی ہو۔ اتنے سال ہو چکے تھے اسے دیکھے ہوئے۔ اب مجھے کیا اندازہ تھا اس کے کیا طور طریقے ہوں گے، سگی بہن کا مان رکھنے کے لیے اس کے گھر ٹھہری۔ بس یہی غلطی ہوئی تو یہ تو بس۔ ہے تو میری بہن مگر وہ کوڑی کی تربیت نہیں کی اپنی لڑکی کی۔ میں تو بولا کر بھاگنے کو تھی کہ کہیں زبردستی کی بلا سر نہ منڈھ جائے۔ تم تو جانتی ہو، میری مردوت لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ بنو کو اور بھلے کچھ آتا ہو نہ آتا ہو لیکن مردوں کو مٹھی میں کرنے کا فن جانتی ہے۔“

منال نے مڑ کر یمنی کو دیکھا، وہ خود منہ کھولے عین شادی والے دن ایسی بے ہودہ گوئی کرنے والی عورت کو دیکھ رہی تھی جو اور کوئی نہیں دہلہاکی ماں تھی اور اپنی ہی بہو، اپنی ہی سگی بھانجی کے بارے میں ایسے ناشائستہ کلمات کہہ رہی تھی۔

”پتا نہیں ایک ہی ہفتے میں حمزہ پہ کیسا جادو کیا، وہ تو میرے سامنے تن کے کھڑا ہو گیا۔ بھند تھا کہ شادی کرے گا تو اسی سے۔“

”تم ماں ہو کیا ضرورت تھی ہتھیار ڈالنے کی۔ اور

اگر زیادہ ہی وہ بچل رہا تھا تو بہلا لیتیں۔ دو چار جھوٹی تسلیاں دے کر کسی طرح واپس لے جاتیں۔ چند دنوں تک عشق کا بخار کم ہو جاتا۔

منال نے آنکھوں میں آنسو بھر کے یمنی کو دیکھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھیک کے رہ گئی۔

”تم نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا۔“

”جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ بس دعا کرو کہ آگے جو کچھ ہو وہ مریم کے لیے اچھا ہو۔“

ان دونوں پر افسردگی اور انھللا کچھ اس طرح چھایا کہ وہ مریم کی رخصتی سے پہلے ہی گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔



اور اس دن اسے ستارہ سے بات کرنے کا موقع مل ہی گیا۔ اکنامکس کا پیر دے کر وہ ہال سے باہر نکلی تو گراؤنڈ میں ستارہ راٹھور کو ٹھلے ہوئے پایا۔ یمنی نے ایک سیکنڈرک کے کچھ سوچا اور اس سے بات کرنے کی ٹھان لی۔ منال ابھی تک اندر بیٹھی پرچہ حل کر رہی تھی۔

”ہیلو ستارہ!“

”اے۔۔۔ ہیلو۔“ اچانک اسے سامنے باکر لچھ بھر کے لیے وہ گڑبڑا گئی۔ زیادہ حیرت اسے یمنی کے مخاطب کرنے پر تھی کیونکہ کچھ عرصے سے وہ تینوں اسے مسلسل نظر انداز کرتی آ رہی تھیں۔

”تم آج یہاں کیسے؟“ یمنی کو توقع تھی کہ جواباً وہ ”تک کر اسے اپنے کام سے کام رکھنے کا مشورہ دے گی۔“

”بس۔۔۔ ایسے ہی۔“ اس کی مسکراہٹ نے یمنی کو حوصلہ دیا۔

”بڑی جلدی واپس آگئیں تم ابھی تمہارا ڈرائیور تو

تھیں۔۔۔“

”موج مزے؟“ وہ سر جھٹک کے ہنسنے لگی۔

”مائی گاڈ یمنی!“ اس نے اپنے خاص اشاریوں میں ڈہرایا۔ ”کیسے موج مزے؟ یار! اچھا کام ہے۔“

URDU PHOTO

”بنو مت ستارہ! ایسا کون سا کام ہے جو تم اپنی کار میں اپنے ڈرائیور کے ساتھ نہیں کرنے جاسکتیں“

”یار! بات یہ ہے کہ جس سے مجھے کام ہوتا ہے، اس کی مردانگی کو نہیں پہنچتی ہے میری گاڑی میں بیٹھنے سے اس لیے مجبوراً مجھے اس کی بانیک کے پیچھے بیٹھنا پڑتا ہے۔“ اس نے بڑے اطمینان سے اصل بات اگل دی۔ یمنی اس کی اس درجہ صاف گوئی پر ششدر رہ گئی۔

”ستارہ! تم یہ سب ٹھیک نہیں کر رہیں اگر تمہاری فیملی کو علم ہو گیا تو انہیں کتنا برا لگے گا۔“

”کم آن یار! میری فیملی میں کوئی اتنا کنزرویٹیو نہیں اور پھر میرے پیرنس مجھے جانتے ہیں، مجھ پر پورا کانفیڈنس ہے انہیں۔“

”اور تم ان کے اعتماد کی اس طرح دھجیاں بکھیر رہی ہو۔“

”ڈونٹ لی سوروڈ یمنی! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ ہماری کلاس میں وہ سب ہوتا ہے، جس کا تصور بھی تم نہیں کر سکتیں لیکن میں ہمیشہ سے ان سب سے

الرجح رہی، اس لیے میرے ڈیڈی کو یقین تھا کہ میں جس کسی کو بھی منتخب کروں گی وہ کوئی ایسا ویسا شخص

نہیں ہو گا اور ایسا ہی ہوا۔ کون سی چیز ہے جو میری دسترس میں نہیں گیا ہے ایسا جس کی تمنا میں کسی اور کے حوالے سے کروں۔ مجھے صاف گو اور بغیر کسی لگی

لپٹی کے گفتگو کرنے والے مرد اچھے لگتے ہیں۔ وہ بالکل ایسا ہی ہے، اسے اپنے کم حیثیت ہونے کا کوئی

سکا پیکس نہیں اور اگر اتنی ہے کہ اس میں کہ ابھی تک منہ سے نہیں پھوٹ رہا کہ وہ مجھے کتنا چاہتا ہے،

شاید مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہو۔“

”کس قسم کا مناسب وقت؟“

”ظاہر ہے وہ یوں بھی تو اٹھ کے میرے ڈیڈی کے پاس نہیں آسکتا، ابھی وہ میٹل نہیں ہوا۔ میں نے تو

آفر کی تھی کہ اگر وہ چاہے تو میں ڈیڈی سے کہہ کر اسے ان کی فرم میں سیٹ کروا سکتی ہوں اور وہ بھی ایک اچھی پوسٹ پر لیکن یا۔۔۔ وہ اتنا ناراض ہوا کہ آج مجھے

سے منانے کے لیے پورے دو گھنٹے صرف کرنے پڑے۔“

”لیکن ستارہ! کیا یہ سب ٹھیک ہے، میرا مطلب ہے اس طرح۔“ اسے یہ ساری اسٹوری ہضم نہیں

ہو رہی تھی، حالانکہ اس کی باتوں کی روشنی میں وہ اتنا اندازہ تو لگا چکی تھی کہ وہ شخص ستارہ کا غلط انتخاب نہیں تھا لیکن اس کی تربیت کے اصول اور ماحول کا

ستھراپن یہ توجیہ قبول نہیں کر پار ہا تھا کہ محض نیت اچھی ہونے سے ہر عمل کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

”اس میں بُرائی کیا ہے؟“ اس نے شانے اچکائے۔ ”ایسے ہی تو ہمارا تعلق اور مضبوط ہو گا۔“

یمنی نے سر جھٹک کے خود کو اور کچھ کہنے سے باز رکھا۔ اس کی سوچ اور ستارہ کی سوچ کے زاویے دو

مختلف سمتوں کی طرف منہ موڑے ہوئے تھے۔ یہ بحث جتنی لمبی کھینچی جاسکتی تھی اتنی ہی بے سود بھی ہوتی۔



پیرزکی مصروفیت نے اسے کسی اور طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس نے یہ بھی محسوس نہ کیا کہ ایڈی سے رشتہ باقاعدہ طے ہو جانے کے بعد

چمکوں پہکوں رونے والی منال آغا کچھ دن بعد اچانک چند کیوں ہو گئی۔ اس کی گہری خاموشی میں ایک

لامال تھا، ایک پچھتاوا تھا، یمنی اسے قسمت پر راضی بہ رضا ہونا چھٹی یا پھر امتحانات کی تکان۔

ماما پڑھائی کے بارے میں بہت سخت تھیں، کتنے دنوں سے اس کا منال کی طرف جانا بھی نہیں ہوا۔

اگرچہ ماما اس بات سے انجان تھیں کہ وہ اس رشتے کے بارے میں سن گن لے چکی ہے، اس کے باوجود اسے اب ان کے گھر جانے میں ایک جھجک سی محسوس ہوتی تھی۔

لیکن اس دن اسے جانا ہی پڑا۔ ماما اور بابا دونوں شام پانچ بجے سے پہلے نہیں آتے تھے اور ان کی بیٹی کو سختی سے ہدایت تھی کہ بہن کو گھر میں اکیلا نہیں چھوڑنا۔

یمنی کا پاک اسٹڈیز کا پیر دوپہر میں تھا اور بچی کے پریکٹیکلز ہو رہے تھے۔ وہ چھٹی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے ماما نے اسے منال کے گھر جانے کی تاکید کی تاکہ وہ

وہیں سے اس کے ساتھ پیپر دینے چلی جائے۔ چونکہ اخضراب دن کو گھر پہ نہیں ہوتا تھا، اس لیے اس نے

بھی جانے کی ہمت کر ہی لی۔ اس روز سے جب سے اسے اس پر پوززل کے بارے میں علم ہوا تھا، آج وہ پہلی بار وہاں جا رہی تھی۔

”تیرا چہرہ۔۔۔ جب نظر آئے۔“

عدنان سمیح کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی۔ نوال بری طرح ٹی وی میں گم تھی، جہاں عدنان سمیح کے

کشمیری ”کلچے“ نما ہاتھوں میں ایک نازک اندام حسینہ پوری کی پوری سائی ہوئی تھی۔

”منال کہاں ہے؟“ اس نے زوردار آواز میں اپنی طرف متوجہ کیا۔

”یہ آج آپ کیسے رونق افروز ہو گئیں غریب خانے میں۔“

”زیادہ طنز بگھارنے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے منال ہی کی طرح رعب جھاڑنے کے بعد ادھر ادھر دیکھا۔

”کینڈی نہیں آئی؟“

”وہ کہاں۔۔۔!“ وہ خود اسے رس کر رہی تھی۔

”مشعل آپی کو تو فرصت ہی نہیں۔ اگلے مہینے منگنی طے پائی ہے، البتہ شادی تب ہو گی جب آپی کی نند سبح اپنے شوہر کے دستبر میں پاکستان آئیں گی۔“

”اور ابھی تو ابریل ہے۔“

منال اندر منتہین پر سلامتی کا کام سنبھالے بیٹھی تھی۔

”کتنے چاؤ سے جینز کی تیاریاں ہو رہی ہیں پڑھنے کی فکر ہی نہیں۔“

”یہ فراک کیا میں جینز میں لے کر جاؤں گی؟“ اس نے نرڈ لان کا سلویس خوبصورت جھالروں والا منا سا فراک لہرا کے دکھایا۔ ”یہ کینڈی کا ہے۔“

یمنی کو اس کے انداز میں بے حد ٹھنراؤ محسوس

ہوا۔ پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ کئی روز سے ابھی ابھی نظر آنے والی۔ یعنی جیسے اب سمجھل سی گئی ہے۔

”سنا ہے تم بھی ”ویاہ“ کھڑکانے والی ہو؟“

”تم کیوں جلتی ہو۔ فکر مت کرو، امی کا ارادہ مجھے نکالتے ہی تمہیں گھسانے کا ہے۔“

”تو ایسے ہی۔۔۔“ بلوں اچھلتے دل کی کو پھاند کو دبا کے اس نے بے نیازی دکھائی۔ ”مدعی لاکھ برا چاہے کیا ہوتا ہے۔“

”اچھا جی۔۔۔ ہم سے چلا کیا۔“ اس کی اندر تک اترتی نگاہوں سے گھبرا کر یمنی نے پھر سے گفتگو کا رخ اسی کی جانب موڑ دیا۔ ”لگتا ہے تم نے اب کمپوز مائز کر ہی لیا ہے۔“

”نہیں، کمپوز مائز تو بڑا بے بس سا، مجبور سا لفظ ہے۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ میں نے اللہ کے فیصلے کو قبول کر لیا ہے، پوری خوشی کے ساتھ۔ قسمت کبھی ہمارے لیے غلط انتخاب نہیں کر سکتی۔“

”ماشاء اللہ۔“ اس نے منال کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”دھی رانی تو بڑی سیانی ہو گئی ہے لیکن تیرا سیانا پن اتنی لمبی چھٹی پر کہاں سیر پانے کرنے گیا ہوا تھا۔“

”وہ میں اتج کے خوش رنگ خوابوں میں بھٹک رہا تھا۔ کچی نیند کے خمار میں میں نے کتنے ہی سال آنکھیں موندے ایک خیالی پیکر کو تراشنے میں گزار دیے لیکن میں اتج کے آخری سال کے ساتھ ہی میں نے وہ خواب بھی وہیں جھٹک کے پھینک دیے۔ میں بیس سال کی ہو چکی ہوں، اپنا گریجویٹیشن مکمل کر رہی ہوں اور چند ماہ بعد میری شادی ہونے والی ہے۔“ وہ یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے برسوں سے سینت سینت کر رکھے خواب کو اپنے ہاتھوں چکنا چور کرنا یوں ہی عام سی بات ہو رہی ہے۔

”مجھے ہلاؤ مت، دل کوئی ٹیکنیکل چیز نہیں جو تارت خد لے ہی اپنی ہیئت بدل لے۔“

”دیکھو! بعض اوقات دل اور ذہن دونوں کو دبا کر لے کے لیے ایک بل بھی کافی ہوتا ہے۔ تاکہ وہ جو بلند جنت ہے، ناکشہ میں نہ لگے۔“

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھکا کے فراق میں ٹن ٹانگے

ہی۔ رشتہ طے ہو جانے کے بعد اس کی آمد کو کسی قابل اعتراض نہ سمجھا۔ البتہ مجھے سخت الجھن محسوس ہونے لگی۔ ایک تو یوں بھی میں اس زبردستی کے اور کینڈی کو سنبھالنے والا کوئی نہیں۔ مجھے وحشت نے بندھن کو قبول نہ کیا رہی تھی۔ اس شخص سے عجیب سا رشتہ قائم ہونے کے بعد بار بار اس کا سامنا کرنا کہ

لگے گا پھر اللہ نے میرے دل سے یہ آخری کسک بھری ہوئی نواں اس کے ساتھ ساتھ لے کر گیا اور نہ تم تو جانتی ہو، آس کریم کھانے مارکیٹ تک گئے، بلکہ وہ ہمیں بے حد اصرار کر کے ساتھ لے کر گیا اور نہ تم تو جانتی ہو، جی کو یہ سب بالکل پسند نہیں۔ سارا اور رشو بھی ساتھ تھے۔ میں نے کتنی بار نوٹ کیا کہ وہ بیک ویو مرر سے میرا جائزہ لے رہا ہے لیکن میں پورے وثوق سے کہہ نہیں سکتی تھی کیونکہ میری نظر پڑتے ہی اس کی نظروں کے زاویے بدل جاتے۔ البتہ میں الجھ ضرور گئی۔ اس کی وہ نگاہیں عام سی نگاہیں نہیں تھیں۔ وہ جیسی کہ سب لوگوں کے درمیان موجود رہ کے ہیں، بلکہ میرے پورے وجود میں چیونٹیاں سی رہتی لگیں۔ مجھے اس کی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ایک عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔“

یمنی کو اچانک اپنے ماتھے پر اس کا لمس پیش محسوس ہوا اور وہ اس کے ہاتھوں کی مضبوط مگر حریر گرفت۔ اس نے جھرجھری سی لی۔ ”اس کا مطلب ہے تب میرے اندر بجتا وہ خطرے کا سائرن بھی غلط نہیں تھا۔“

”میں نے اپنے اس وہم کو جھٹلانے کی بہت کوشش کی، بار بار تصور میں اس کی سلجھی گفتگو، نرم شہزادہ مسکراہٹ اور سو بر انداز کولانی رہی اور خود کو یقین دلا رہی کہ یہ وہی شخص ہے۔ وہی جسے سامنے پا کے میرے دل نے گواہی دی تھی کہ۔ لیکن میرا دل شاید ابھی اتنا معتبر نہیں ہوا تھا کہ اس کی گواہی مسترد ٹھہرتی۔ یہ وہی شخص تھا۔ وہی۔ لیکن یمنی۔ تمہائی نے اس کے خوش نما پردے کو چاک کر دیا۔ مجھے اچانک ہی ادراک ہوا کہ ادھیڑ عمری کی طرف قدم بڑھنا بلند جنت اندر سے کس قدر غلیظ ہے۔ اگلے دن پہلی

سے کروا پس آئی تو امی نے بتایا کہ بھائی جان نوال کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں، امی کو شاپنگ کرنے جانا تھا اور کینڈی کو سنبھالنے والا کوئی نہیں۔ مجھے وحشت نے میں خواجہ خواہ امی سے بحث کرنے لگی کہ نوال کو وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کینڈی اور رشو کو بھلا رہی تھی کہ اچانک ایڈی آگیا، نوال کو اپنے ساتھ لیے۔ نوال چپ چپ تھی اور ایڈی بے حد سنجیدہ۔ مجھے کسی انہونی کا خدشہ اس قدر ستا رہا تھا کہ پہلی بار میں ایڈی کے سامنے آئی۔ میں نے اس سے پوچھا اور اس نے بہت شرمندگی کے ساتھ کہنے لگی کہ ”میں نے کچھ بتاتے، کچھ چھپاتے ہوئے مجھے سنبھال دیا کہ نوال کا وہاں آپ کی غیر موجودگی میں اکیلے رہنا مناسب نہیں اور جب وہ جا رہا تھا تو اس نے بل بھر کے لیے رک کر کپکپاتی ہوئی ڈری سہمی نوال کے سر پر ہاتھ رکھا۔ میں نے واضح طور پر نوال کی لرزش کو دیکھا، بعد میں نوال نے بتایا کہ رشو اور اس کے بعد اس کو اسکول بھیجنے کے بعد آپ اپنے پروگرام کے مطابق مارکیٹ چلی گئیں۔ نوال کے مطابق کینڈی کو سنانے کے بعد وہ لاؤنج میں بیوی دیکھ رہی تھی، بلند جنت بھی اس کے قریب بیٹھ گئے۔ ایڈی اب تک سو رہا تھا، کام والی ماسی بہانے سے بار بار نوال کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ نوال نے یہ تو محسوس کیا کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے، وہ احمق اصل بات نہ سمجھ سکی۔ آخر اس کا کام مکمل ہو گیا اور بلند جنت نے اسے جانے کا حکم دے دیا لیکن وہ یہ نہ جان سکے کہ وہ جاتے جاتے ایڈی کو صورتحال سے آگاہ کر آئی تھی۔ اس عورت نے ایک زمانہ دیکھ رکھا تھا، مرد کی نظریں پہنچاتی تھی اور ایڈی۔۔۔ شاید وہ بھی اپنے چچا کی فطرت سے آگاہ تھا اور عین اس وقت جب بلند جنت نے اپنے کردار کے گھناؤنے پن کو بے نقاب کرنا چاہا، ایڈی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے سخت الفاظ میں اپنے چچا سے باز پرس کی۔ بلند جنت تلملاتے ہوئے نتیجے کی

لینے سے پہلے اسے اندازہ ہوا کہ کئی روز سے ابھی ابھی نظر آنے والی۔ یعنی جیسے اب سمجھل سی گئی ہے۔

”سنا ہے تم بھی ”ویاہ“ کھڑکانے والی ہو؟“

”تم کیوں جلتی ہو۔ فکر مت کرو، امی کا ارادہ مجھے نکالتے ہی تمہیں گھسانے کا ہے۔“

”تو ایسے ہی۔۔۔“ بلوں اچھلتے دل کی کو پھاند کو دبا کے اس نے بے نیازی دکھائی۔ ”مدعی لاکھ برا چاہے کیا ہوتا ہے۔“

”اچھا جی۔۔۔ ہم سے چلا کیا۔“ اس کی اندر تک اترتی نگاہوں سے گھبرا کر یمنی نے پھر سے گفتگو کا رخ اسی کی جانب موڑ دیا۔ ”لگتا ہے تم نے اب کمپوز مائز کر ہی لیا ہے۔“

”نہیں، کمپوز مائز تو بڑا بے بس سا، مجبور سا لفظ ہے۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ میں نے اللہ کے فیصلے کو قبول کر لیا ہے، پوری خوشی کے ساتھ۔ قسمت کبھی ہمارے لیے غلط انتخاب نہیں کر سکتی۔“

”ماشاء اللہ۔“ اس نے منال کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”دھی رانی تو بڑی سیانی ہو گئی ہے لیکن تیرا سیانا پن اتنی لمبی چھٹی پر کہاں سیر پانے کرنے گیا ہوا تھا۔“

”وہ میں اتج کے خوش رنگ خوابوں میں بھٹک رہا تھا۔ کچی نیند کے خمار میں میں نے کتنے ہی سال آنکھیں موندے ایک خیالی پیکر کو تراشنے میں گزار دیے لیکن میں اتج کے آخری سال کے ساتھ ہی میں نے وہ خواب بھی وہیں جھٹک کے پھینک دیے۔ میں بیس سال کی ہو چکی ہوں، اپنا گریجویٹیشن مکمل کر رہی ہوں اور چند ماہ بعد میری شادی ہونے والی ہے۔“ وہ یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے برسوں سے سینت سینت کر رکھے خواب کو اپنے ہاتھوں چکنا چور کرنا یوں ہی عام سی بات ہو رہی ہے۔

”مجھے ہلاؤ مت، دل کوئی ٹیکنیکل چیز نہیں جو تارت خد لے ہی اپنی ہیئت بدل لے۔“

”دیکھو! بعض اوقات دل اور ذہن دونوں کو دبا کر لے کے لیے ایک بل بھی کافی ہوتا ہے۔ تاکہ وہ جو بلند جنت ہے، ناکشہ میں نہ لگے۔“

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھکا کے فراق میں ٹن ٹانگے

لعن طعن ستارا ہا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا پھر ایڈی فی الفور اسے یہاں چھوڑنے آگیا۔ ”منال نے اسے ساری روئیداد سنائی، وہ دم بخود بیٹھی سنتی رہی۔“

”اتنا سب ہو گیا اور تمہ نے مجھے بتایا تک نہیں۔“

”میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا، ایڈی نے مجھے منع کر دیا تھا۔ بعد میں اس کا فون آیا تھا۔ پہلی بار اس نے مجھ سے تفصیلی بات کی۔ میں تو اس حادثے کے بعد خود سے بھی شرمندہ شرمندہ سی تھی۔ میں نے بلند جنت کے بارے میں کیا سوچا تھا اور وہ کیا نکلا۔ میں بری طرح ٹوٹ گئی تھی، ابھی تک یہ فیصلہ نہ کیا رہی تھی کہ مجھے اس تکلیف وہ حادثے کے بارے میں سب کو آگاہ کر دینا چاہیے یا نہیں کہ ایڈی کی باتوں نے مجھے فیصلہ کن حوصلہ دیا۔ پہلے تو اس نے اپنے چچا کی شرمناک حرکت پر بے حد شرمندگی کے ساتھ معذرت کی، اس کے بعد مجھے یقین دلایا کہ ان کا رویہ اور گھناؤنی فطرت ہماری زندگی پر کسی بھی طرح اثر انداز نہیں ہوگی، اس کے مطابق وہ بہت پہلے ہی ان کے کردار کے بارے میں جان چکا تھا مگر ان کے رشتے اور بزرگی کے لحاظ میں خاموش تھا لیکن نوال پر غلط نظر ڈالنے کی ان کی غلطی وہ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تیسرے فرد کی دخل اندازی ہماری زندگی کو متاثر نہیں کر سکتی اور نہ ہی اپنے آنے والے کل کو کسی بے نام سے خدشے کے تحت دھندلا دینا درست ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”بلند جنت نے جس طرح میرے بھرم کو ٹھیس پہنچائی تھی، میں سمجھتی تھی شاید مجھے اپنے گمان کی کرجیاں سمیٹنے میں ایک عمر بیت جائے گی مگر ایڈی کی باتوں نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا۔ میں سمجھ گئی۔ یمنی۔۔۔ یہ محبت نہیں تھی، یہ محبت ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ میرا دل ٹوٹا ضرور تھا مگر اس کی شکستگی کے پیچھے ایک شرمساری تھی۔ مجھے ایک بل میں بلند جنت سے شدید ترین نفرت ہو گئی۔“

”اور ایک ہی بل میں ادیب سے شدید ترین محبت۔“ اس نے اٹھوانا چاہا۔

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھکا کے فراق میں ٹن ٹانگے

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھکا کے فراق میں ٹن ٹانگے

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھکا کے فراق میں ٹن ٹانگے

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھکا کے فراق میں ٹن ٹانگے

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھکا کے فراق میں ٹن ٹانگے

”اب میں محبت کا دعوا کرنے میں اتنی جلد بازی سے کام نہیں لوں گی۔ فی الحال تو اتنا کہہ سکتی ہوں کہ میں نے اپنے گھر والوں کا اپنے لیے فیصلہ درست مان لیا ہے۔ رہی محبت۔ تو اب چونکہ میرا دل خالی سلیٹ ہے اور اس بچکانہ آئیڈیل سے بھی جان چھڑا چکی ہوں تو مستقبل قریب میں محبت کے امکانات خاصے روشن ہیں۔“

”ہا۔۔۔ ہائے۔۔۔ بات تو ایسے کر رہی ہو کہ جیسے خبرناے کے بعد موسم کا حال سنارہی ہو۔ دل کے شمال مغربی علاقوں میں کہیں کہیں پیار کی ہلکی ہلکی بوند باندی کا امکان ہے، جبکہ بدگمانی کے بادل چھٹ چکے ہیں اور مطلع صاف رہے گا۔“

وہ اس کی بات پر آسودگی سے مسکرا دی۔



آخری پیر اردو کا تھا، اس دن اس کی ملاقات پھر ستارہ سے ہوئی۔ وہ حسب عادت دو سوا دو گھنٹے میں ہی پرچہ حل کرنے کے بعد سیدھی کینٹین کی طرف بھاگی۔

”تم نے تو مجھ سے پہلے ہی پیر کر لیا، کیسا ہوا؟“

”انتہائی خراب، کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا، اس لیے۔۔۔ ویسا ہی چھوڑ دیا۔“ وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس کی آواز میں ہلکی سی کمی تھی۔ یعنی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

”ستارہ۔۔۔! کیا بات ہے؟“ اس نے سر اٹھایا۔

چہرے کا رنگ خطرناک حد تک سفید ہو رہا تھا، اس نے نفی میں سر ہلایا، گردن کی خفیف سی لرزش نے پلکوں پر لگے دو آنسوؤں کو رخساروں پر جھلکا دیا۔

”پیارے! تم کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی، دوست ہوں تمہاری۔“ یعنی اس کی حالت سے حقیقتاً دکھ ہوا تھا اور وہ بے ساختہ ہی پہلے پہل اس سے ہوسکتی کا دعویٰ کر رہی تھی۔ ستارہ خود بے یقینی سے اسے تکتی رہی تھی۔

”دوست۔۔۔ اور وہ بھی میں؟ میں تو بہت غلط لڑکی ہوں، نا، بہت خراب، بہت بڑی۔“

”کیا پتا ستارہ! کون غلط ہے، کون درست۔ تمہاری چند حرکتوں سے مجھے تکلیف ضرور ہوتی تھی، زندگی گزارنے کا تمہارا اپنا فلسفہ تھا، اپنے اصول و ضوابط تھے، جن سے ناگواری محسوس کرنے کے باوجود میں تمہیں بدلنے کا اختیار نہیں رکھتی تھی لیکن میرا دل کہتا ہے ستارہ! کہ تم بری لڑکی نہیں ہو۔ تمہارے کچھ ڈلے لائف اسٹائل سے قطع نظر ایک دوست کی حیثیت سے تم بے حد پر خلوص اور بے لوث ہو۔“

اس کے اعتراف پر ستارہ نے اپنا سر اس کے شانے پر ٹکا دیا اور سسکنے لگی۔

”لیکن یعنی! وہ کہتا ہے کہ تم بڑی ہو، میرے قابل نہیں، میں اس کے قابل نہیں یعنی۔۔۔ میں۔۔۔ صرف اس لیے کہ میں اس سے آزادانہ میل جول رکھ سکتی تھی، صرف اس لیے اس نے مجھے ٹھکرا دیا کہ میں اس کے اخلاقیات کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسے اب میرے کردار میں ہزاروں کیڑے نظر آ رہے ہیں لیکن یعنی! کون ہے جو اس سے پوچھے کہ میرے قدموں کو اس راہ تک لانے والا کون ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مجھے متاثر کیا، میں اس سے محبت کرنے لگی۔ میں وقت گزاری نہیں کر رہی تھی، میرا خواہش تھی کہ میں اس کا زندگی بھر کا ساتھ حاصل کروں، اس لیے میرے دل میں یہ خیال تک نہ آیا کہ میرا اس سے بے جھجک ملنا معیوب ٹھہرایا جائے گا، اگر یہ غلط تھا، معیوب تھا تو پھر وہ بھی تو اس میں برابر شریک ہے پھر کیسے وہ مجھے الزام دے سکتا ہے۔“

”یہ بات سچ ہے ستارہ! لیکن کوئی مرد اتنی کڑوی بات ہضم نہیں کر سکتا، خود بھلے سارے زمانے میں گھومتے رہیں یہ مرد۔۔۔ بیوی کے طور پر انہیں ہر خرابی سے مبرا، ایک پرنیکٹ آئیڈیل لیڈی چاہیے ہوتی ہے۔“

”وہ بھی یہی کہہ رہا تھا، اس کی شادی ہو رہی ہے میرے احتجاج پر اس نے سفاک ترین الفاظ میں سچے

میری اوقات یاد دلائی۔ ایک ایسا شخص جسے میں نے ٹوٹ کر چاہا، میں اس کے لیے محض وقت گزاری کا ایک ذریعہ اور اس کی انا کی تسکین تھی، کہ دیکھو کروڑتی انڈسٹریسٹ کی بیٹی میری کھٹارا موٹر سائیکل پر بیٹھی ہے۔ کیا کسی کو چاہنا اتنا ہی برا ہے یعنی؟“ اس کے سوال پر اس نے افسردگی سے سر ہلایا۔

”نہیں، کسی کو چاہنا بڑا نہیں ستارہ! لیکن اس چاہت کے خمار میں خود کو بے لگام چھوڑ دینا ضرور برا ہے۔ تم نے سوچا، جس سے محبت کرنی ہو، اس کی خاطر چند ضابطوں کو پیروں تلے کچل دینا غلط نہیں لیکن یہی تمہاری غلطی تھی۔ ویسے ایک بات پوچھو ستارہ! کیا تمہیں سچ سچ اس سے محبت تھی؟“

”تو تمہارے خیال میں میں فلرٹ کر رہی تھی۔“ وہ شاک ہو گئی۔ ”تم مجھے نہیں سمجھ پارہیں۔“

”دراصل تم خود اپنے آپ کو سمجھ نہیں پارہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ تمہارے جذبوں میں کوئی کھوٹ تھا، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم نے اپنے جذبات کو صحیح طرح جانچے بغیر ہی محبت کا نام دے دیا ہو۔“

”نہیں یعنی! میں نے سچے دل سے اسے چاہا، اسی لیے تو میرا دل اب تک سنبھل نہیں پارہا۔“

”ہو سکتا ہے، تمہارا دل تذبذب اور بے عزتی کے احساس سے بڑھال ہو۔ جسے تم جدائی کا کرب سمجھ رہی ہو، وہ ٹھکرائے جانے کا غصہ ہو۔“ اس نے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی لیکن ستارہ بدستور آنسو بہاتی رہی۔

”وہ منل آغا تھی۔۔۔ یہ ستارہ راٹھور ہے ناز و نعم میں ملی امیرزادی، جو چاہا اپنے کی عادی۔ یہ اچانک جھٹکا اس کے وہم و گمان سے بھی آگے کی چیز ہے، سنبھلنے میں وقت تو لگے گا۔ یہ کوئی منل تو نہیں۔ زندگی کی کڑوی حقیقتوں کے ساتھ مل کر جوان ہوئی، ایک سمجھوتہ کرنے والی لڑکی۔ جس نے پل بھر میں اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا، ایک جھٹکے سے اپنی آئیڈیل پرستی سے محبت کا ٹیک اتار پھینکا۔“



”اس طرح انکار کرنے کا مطلب کیا ہے آخر؟“ کنول خواجہ نے بڑے اچھے کے ساتھ اس سے پوچھا۔

طاہر خواجہ کی ہدایت کے پیش نظر انہوں نے یعنی کے پیرز کے دوران اسے ڈسٹرب نہیں کیا، جبکہ دل ہی دل میں وہ سخت بے چین تھیں۔ اس سے بات کرنے کے لیے۔ ان کے خیال میں طاہر خواجہ نے خواجواہ میں ہی یعنی کی رضامندی جاننے کی سچ لگادی تھی۔ ورنہ اسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ بچپن سے منال کے گھر سے اور اس کے تمام گھر والوں سے مانوس تھی۔ ویسے بھی اخضر میں برائی کیا تھی لیکن شوہر کی سخت تنبیہ کے تحت وہ یہ رسمی کارروائی کرنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اب جبکہ یعنی نہ صرف پیرز دے کر فارغ تھی بلکہ جی بھر کے اپنی تھکان بھی اتار چکی تھی، وہ اس کے پاس آئیں۔ بیگم آغا کی آمد اور اخضر کے پردپونزل کے بارے میں آگاہ کر کے اس کی مرضی جاننا چاہی لیکن اس کے بلا توقف انکار نے انہیں حیران ہی کر ڈالا۔

”اس طرح انکار کرنے کا مطلب کیا ہے آخر؟ تم نے میری پوری بات تک نہیں سنی اور ”ہرگز نہیں، کبھی کبھی نہیں“ ایسے اگل دیا جیسے پہلے سے طے کیے بیٹھی بیٹیں۔“

”پوری بات کیا ہوگی؟ بات صرف یہی تو ہے کہ آپ کچھ سے پوچھ رہی ہیں کہ اخضر کے بارے میں میری کیا رائے ہے، کیا میں اس سے شادی کرنے پر تیار ہوں؟ تو میں نے سیدھے سادے لفظوں میں اپنا جواب سنا دیا ہے کہ اخضر کے بارے میں میری رائے بالکل بھی اچھی نہیں۔ میں اس سے شادی کرنے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں۔“

”آخر کوئی وجہ بھی تو ہوگی انکار کی؟“

کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟“ انہوں نے صاف صاف پوچھ لیا تو یعنی جو ماما سے بے حد قریب تھی، سر جھکا کے رہ گئی۔ اتنے دوستانہ تعلقات کے باوجود وہ ماما سے اس بے تکلفی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

”نہیں۔“

”آریو شیور؟“ وہ سمجھیں جھبک کی وجہ سے انکار کر رہی ہے۔

”جی ماما! ایسی کوئی بات نہیں، میں ابھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی، میرا ارادہ آگے بڑھنے کا ہے۔“

”ویسے تو تمہارے بابا بھی یہی چاہتے ہیں، مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، تم شوق سے اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہو لیکن یہ پروپوزل اتنا اچھا تھا کہ اگر تم ایک بار سنجیدگی سے غور کر لو تو اچھا رہے گا۔ شادی کچھ عرصے بعد بھی ہو سکتی ہے۔“

”لیکن ماما! اخضر۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ نہیں۔ پلیز ماما! آپ کو تو پتا ہے کہ میں منال کی فیملی سے کس قدر قریب ہوں۔ آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے، آخر کوئی تو وجہ ہوگی جو میں اخضر کو ریجیکٹ کر رہی ہوں۔ اس کی کوئی تو بات ہوگی جو میں جانتی ہوں، آپ نہیں۔“

اس کے اتنا کہنے پر وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کے رہ گئیں، دوبارہ انہوں نے یہ ذکر نہیں چھیڑا۔ مسز آغا کو انہوں نے۔۔۔ کیا کہہ کر ٹالا تھا، اسے پتا نہیں تھا لیکن بعد میں وہ منال کو مطمئن کرتے کرتے تھک گئی۔



لائٹ گرین اور پریل شیڈ کے بھاری شرارے میں زرتار اپنی سر پر ڈالے منال آغا، اویب کے ساتھ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ بلیک سوٹ میں نکھرا نکھرا ایڈی بھی بے حد خوش باش تھا اور پچھلی نشستوں میں بیٹھی یمنی خواجہ کو لڈو رنگ کے سب لیتی ہوئی دعائیں دیتی نظروں کے ساتھ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے برابر میں مریم تھی، مریم حمزہ علی۔

وہ رڈائٹ کے مظاہر اپنی پہلی ڈیوری کے لیے میکے یعنی لاہور آئی ہوئی تھی اور ایسے میں منال کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ وہ رہنے سکی اور اپنی حالت بھلائے شادی میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن اتنی مگر خود کو چھپاتی پھر رہی تھی۔ بڑی سی گرم شمال میں رہنے لگی تھی۔

URDU PHOTO

ڈول وجود چھپائے وہ پچھلی نشستوں سے اٹھنے پر تیار نہیں تھی اور ناچار یمنی کو بھی اس کے ساتھ چپک کے اس کونے میں بیٹھنا پڑ رہا تھا ورنہ اس کی عزیز ازجان دوست کی شادی ہو اور وہ یہاں بیٹھی کو کا کولا چڑھاتی رہے۔ کل مہندی پر مریم نہیں آئی تھی تو یمنی نے کتنا کھل کے انجوائے کیا تھا۔ ”میںوں یار دے، ویاہ اتے نیچ لین دے۔“ کے اوپر اچھل اچھل کے بھنگڑے ڈالے تھے۔ ڈھوکی پیٹ پیٹ کر ہتھیاسیاں لال کر لی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر کھا جانے والی نظروں سے مریم کو دیکھا جو اپنے سوجے ہوئے پیر سینڈل سے نکال کی سہلا رہی تھی۔

”آخر تمہیں ضرورت کیا تھی، منہ اٹھا کے یہاں آنے کی۔ کیا تمہارے بغیر منال کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔“

”بڑی بد لحاظ ہو تم، میں نے۔۔۔ کیا تمہیں باندھ کے رکھا ہے۔ اٹھو میرے پاس سے، دفع ہو جاؤ اور اسٹیج پر چڑھ چڑھ کے مووی بناؤ۔“

”کیا کروں، یہ بھی تو نہیں ہو سکتا۔ آخر دوست ہو، کیسے تم کو اس فضول سی حالت میں اکیلا چھوڑ جاؤں، تمہارا خیال بھی تو رکھنا ہے۔“

”ان کا خیال رکھنے کے لیے ان کے شوہر کافی ہیں۔“ اگلی نشست پر بیٹھی بارات کے ساتھ آئی ایک بے تکلف لڑکی نے پیچھے مڑ کے کہا۔ مریم کھیسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”یہ کیا ہے مریم! تم تو کہتی تھیں کہ حمزہ بہت غصیل، نخریلا اور بتا نہیں کیا کیا، یہ تو ایسا نہیں ہے۔“

”بس، قسمت۔“ مریم نے سر جھٹکا۔

”مغصہ اب بھی وہی ہے، ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہیں مگر میری بات پر نہیں۔ اگر کوئی میرے خلاف بات کرے تو بس اس کی شامت آئی سمجھو۔ خالہ جان جیسی تنگ مزاج ساس اور چار چار نندوں کے ہوتے ہوئے ہلکی پھلکی کھٹ پٹ تو چلتی رہتی ہے۔ اگر انور کر دیا جائے تو بات بڑھتی نہیں مگر حمزہ کی وجہ سے میرے تعلقات اپنے سسرال سے اتنے خراب ہو چکے

ہیں کہ حد نہیں۔“

”عجیب بات ہے، پہلی بار ایسا سنا ہے۔ عموماً تو سسرال والوں سے ناچانی کا سہرا بہو کے سر بندھتا ہے۔“

”جس کامیاں ایسا ہو اس کی ہزاروں اچھائیوں اور لاکھوں خوبیوں پر وہ اکیلا پانی پھیرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ میں جتنا مرضی درگزر سے کام لینا چاہوں، صبر و برداشت سے ساس کا دل جیتنا چاہوں، پیار محبت سے نندوں کو رام کرنا چاہوں۔۔۔ حمزہ کی اندھی محبت میری ہر کوشش ناکام کر دیتی ہے۔ بقول ان کے وہ میرے پیار میں پاگل ہو چکے ہیں۔ میں اسی پاگل پن کے ہاتھوں سخت عاجز آچکی ہوں۔ لوگ بیٹھے پیچھے کتنا مذاق اڑاتے ہیں، ان کو اندازہ تک نہیں۔ ان کے غصے کے ڈر سے ماں بہنیں سامنے تو کچھ نہیں کہتیں، بعد میں مجھے سوسو باتیں سننا پڑتی ہیں۔“

”تم نے تو حمزہ سے بالکل مختلف توقعات باندھ رکھی تھیں۔ کتنا مشکل لگتا ہو گا تمہیں اب گزارا کرنا۔“

”نہیں، خیر ایسی بات بھی نہیں۔“ وہ ساری کڑواہٹ بھول کے ایک دم ہی رس گلاب بن گئی۔

”اگر حمزہ مجھے چاہتے ہیں تو میں بھی انہیں کم تو نہیں چاہتی۔ ہاں ان کی چند عادتیں میرے لیے الجھن کا باعث ضرور بنتی ہیں لیکن جہاں محبت ہو، وہاں سب نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ اگر میں کبھی شادی سے پہلے حمزہ سے ملی نہ ہوتی تو ان کی یہ جی حضوری میرے لیے اچانک صدمے کے مترادف ہوتی لیکن چونکہ وہ پہلے ہی میرے دل میں جگہ بنا چکے تھے، اس لیے مجھے اس صدمے سے نکلنے میں وقت نہ لگا۔ اب تو کبھی کبھی یہ سوچ کر روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اگر حمزہ کا وہ سارا اعتماد دن رات مجھ پر نازل ہوا کرتا تو میں تو شاید شادی کے دو مہینے بعد ہی فوت ہو جاتی اور خالہ جان۔۔۔ حمزہ کی برزور مزاحمت کے باوجود بھی وار کرنے سے نہیں چوکتیں تو اگر انہیں اور آزادی دی جاتی۔۔۔ شاید اس میں بھی اللہ کی کوئی

مصلحت ہو۔

”بہت اچھے۔ اب ایمان لائی ہو اللہ کی مصلحت پر۔ یوں کہو دل ہی دل میں تمہیں بھی حمزہ سے خد متیں گروانا اچھا لگتا ہے۔“ اس نے چھیڑا، حالانکہ اس کے اندر اس وقت مریم کا ایک فقرہ پھاس کی طرح چبٹا ہوا تھا۔

”جہاں محبت ہو وہاں سب نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔“

”لیکن میں نے تو نظر انداز نہیں کیا، کچھ بھی نہیں۔ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ تو کیا یہ محبت نہ تھی۔“ اسے منال کے الفاظ یاد آئے۔

”محبت کبھی نفرت میں نہیں بدل سکتی، اگر وہ واقعی محبت ہو تو۔“

”اس کا مطلب ہے وہ واقعی محبت نہیں تھی۔ مریم ستارہ اور منال کی طرح میں بھی ایک خواب کی قید میں تھی لیکن ان سے اور زمانے سے چھپاتے چھپاتے میں نے خود سے بھی یہ حقیقت چھپانا شروع کر دی کہ میں اندر سے ان ہی کی طرح ہوں، ایک عام سی لڑکی۔ عام سے سنے بننے والی۔ مجھے اخضر کا کھراپن اور رشتوں سے دلی وابستگی اڑیکٹ کرتی تھی، میں رشتوں کے بارے میں ذرا کم ہلیہ تھی۔ منال سے اتنی پائیدار دوستی کے پیچھے بھی شاید یہ وجہ تھی کہ میں اس کے صحبتوں سے گندھے گھرانے کے بے حد قریب ہو چکی تھی اور اخضر۔ اس کی خودداری، انا پسندی، خود سے وابستہ ہر فرد کا خیال رکھنا اور کسی کے جذبات کو نہیں نہ پہنچانے والی عادتوں نے مجھے اس کی جانب مائل کرنا شروع کر دیا۔ میں نے سوچا کہ ایسے شخص کے ساتھ زندگی کتنی سہل ہو جائے گی جیسے خود ٹھوکر کھانے سے گیارہ اسی بات کا احساس ہونے لگا۔ اس کے ساتھ چلنے والے کے قدم نہ لڑکھڑا جائیں۔ اس نے مجھ میں اور منال مریم میں بس اتنا ہی فرق تھا کہ انہوں نے اپنے آئیڈیل کا بت پاش پاش ہونے دیکھ کر مریم کے نام پر ایک نے محبت کے نام پر اور ایک نے مصلحت کے نام پر، لیکن میں ایسا نہیں کیا۔ مجھے نہیں تو اپنی

انفرادیت جمانا تھا۔“ اس کی سوچوں کے تسلسل کو حمزہ کی آواز نے توڑا۔

”جاربا ہوں جانو! جاربا ہوں، تمہیں یہ بیٹھا پان دینے آیا تھا اور یہ آپ کے لیے۔“ وہ عجلت سے ان دونوں کو پان پکڑا کے بھاگ نکلا۔ مریم کی کچا چبا جانے والی نظروں کی تاب نہیں لاسکا تھا شاید۔ اس کے جاتے ہی مریم کھلکھلا کے ہنس پڑی۔ شعلے برساتی آنکھیں اب شبنم ہو رہی تھیں۔ یعنی اسے دیکھ کے طمانیت سے مسکرائی۔

”ایک بات تو بتاؤ، یہ تم اب ہا۔۔۔ ہائے کیوں نہیں کرتیں۔“ مریم نے چیخا۔

”میں نے اب حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔“

”تم نے تو دوستوں سے دل کی باتیں کرنا تک چھوڑ دیں۔ منال کو نہیں، کم از کم مجھے تو بتا دو کہ آخر تم نے اخضر کے لیے انکار کیوں کیا۔“

”میں نے منال کو بتا دیا تھا کہ میں لاء کالج میں ایڈمیشن لے رہی ہوں۔“

”پہلے تو ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا تمہارا۔ ایسا لگتا تھا جیسے تم نے اس پروپوزل سے بچنے کی خاطر اچانک ہی لاء کرنے کا پروگرام بنالیا ہو۔“

”یوں ہی سمجھ لو۔“ اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا، اس وقت اس جگہ پر وہ اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

”بیٹھو ادھر، عرصے بعد تو ہاتھ لگی ہو۔ سچ سچ بتاؤ، اخضر سے شادی نہ کرنے کی اصل وجہ کیا تھی۔“

”مجھے وہ پسند نہیں تھا۔“ وہ نیل پالش کھرپنے لگی۔

”یہ کب کا واقعہ ہے؟ جہاں تک میرا اور منال کا اندازہ تھا، تم تو اسے پسند کرتی تھیں۔“ مریم کی بات پر وہ ہکا بکارہ گئی، وہ کب اتنی کمزور پڑی تھی کہ اس کے دل کے سب سے گہرے کنوس سے وہ یہ راز چرا لے گئیں۔ اب تردید کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، بات ختم کرنے کی غرض سے اس نے ہار مان لی۔

”پھر یوں سمجھ لو میں اسے نہیں، اس کی ان چند باتوں کو پسند کرتی تھی جن کی حقیقت بہت جلد مجھ پر واضح ہو گئی۔ بالکل ویسے ہی جیسے حمزہ اور بلند بخت کے

بارے میں تم نے اور منال نے اندازے لگائے تھے۔“

”منال کا تو مجھے پتا نہیں، البتہ اپنے بارے میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ اس ایک بات کو چھوڑ کر حمزہ میرے تصور سے بھی بڑھ کے محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے ہیں، اللہ نے میری ایک بات پوری نہیں کی تو کیا ہوا، بن مانگے اور بہت کچھ دے دیا۔“

”ہاں اور وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں۔ کیا ٹھاٹھ ہیں محترمہ کے اور وہ منال۔ کچھ دس بارہ سال کی بات ہے یہ ٹیڈی، میرا مطلب ہے اویب، ہو ہو بلند بخت ہو گا۔ اسے رے۔۔۔ میرا مطلب ہے، دیکھنے کی حد تک میرے کہنے کا مقصد یہ ہے مریم! کہ کچھ حسرتوں کا مداوا ممکن ہے مگر بعض معاملے ایسے ہوتے ہیں جن میں رسک نہیں لیا جاسکتا۔ یوں سمجھ لو، اخضر کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔“

”تو تم کچھ نہیں پھوٹو گی۔“

”تو بہ شادی کے بعد کس قدر غصیل ہو گئی ہو تمہارے سنو، وہ جو ستارہ راٹھور تھی نا، اسے پریم کی دھن پر تاتھیا تاتھیا کرانے والا کوئی اور نہیں، یہی اخضر آغا تھا، یہ۔۔۔ اخضر جسے خودداری کا زعم ہے، مردانگی کا دعویٰ ہے۔ ایک لڑکی کے جذبات کو کھینچ پھینچا کر خود کو بڑا تیس بار خاں سمجھ رہا تھا۔ پہلے اسے چکنی چیری باتوں میں پھنسا کر اس حد تک لایا کہ وہ سارے نتائج سے بے خبر اس کے ایک اشارے پر دوڑی چلی آتی تھی پھر اس کی اس بات کو وجہ تنازع بنا کر رت بھیکٹ کر دیا۔ ستارہ بری لڑکی نہیں تھی مریم! بس اس کے یہاں تربیت کی کمی تھی، اچھا برا سمجھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اخضر کی محبت میں سدھ بدھ کھو کر اس کے دل نے اسے جو مشورہ دیا، اس نے وہی کیا لیکن یہ اخضر آغا۔ یہ تو سمجھ دار تھا۔ اور یہ تو ایک سناہ تھی، نجانے کتنی ایسی ہوں جن کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔ کتنا

غلط سوچا تھا میں نے اس کے بارے میں، میری سوچ غلط تھی۔ ضروری نہیں ماں، بہن، بیوی کے حوالے سے عورت کو عزت تکرم دینے والا، عورت کی تکرم کرنے کا قائل بھی ہو۔ نہیں مریم! نہیں، یہ اخضر وہ نہیں تھا بلکہ میرے اندر، میرے ذہن میں، میرے دل میں وہ جو ہوا سا تھا، وہ اخضر نہیں تھا بلکہ میں نے اخضر کو زبردستی اس پیکر میں فٹ کرنا چاہا اور جب وہ اس میں پورا نہیں اترا تو میں نے اسے پرے کر دیا۔“ اس نے ہاتھ جھاڑے۔

”تمہیں کوئی دکھ نہیں ہوا، کوئی ملال نہیں ہوا؟۔“

مریم نے حیران ہو کر اس کے سچے سنورے مطمئن نظر آنے وجود کو دیکھا۔

”نہ۔۔۔ اس نے زور سے سر ہلایا۔“

”اور وہ تمہارے اس پیکر۔۔۔ وہ ہوا۔۔۔ وہ کیا عجیب عجیب سا نام دے رہی تھیں تم۔ سیدھی طرح نہیں کہہ سکتیں آئیڈیل، ہاں آئیڈیل، اس کا کیا ہوا؟“

”وہ بہت آرام سے ہے، مزے کر رہا ہے۔“ اس نے دل پر تھپکی دی۔ ”تمہیں اور منال کو مطمئن دیکھ کے میں کبھی اب پر امید ہوں کہ اللہ نے میرے لیے جس شخص کا انتخاب کیا ہو گا وہ بہت۔۔۔ بلکہ بہترین ہو گا۔ زندگی بڑی ہے، جب اللہ نے چاہا، جسے چاہا اس سانچے میں ڈھال کے بھیج دے گا۔“

”ان شاء اللہ۔“ مریم حمزہ علی نے بڑے دل سے دعا کی اور محبت سے اپنی دوست کو دیکھا جو ستاروں بھری آنکھوں سے سامنے دیکھتی ایڈی اور منال کی جانب مسکراہٹ اچھال رہی تھی۔

”واقعی، اخضر تمہارے قابل ہی کب تھا۔“

207

